۷۸۶ یا علیؑ یا عظیمُ

چمنستانِ محمدیہ خزاں

یعنی

کربلا کے واقعات

زبانِ اردو میں علم ادب کی خاص شان سے لکھے ہوئے

مقتل سادات کا

دوسرا حصہ

مؤلفہ ابوالقاسم منیر زیدی الواسطی دھلوی

طبع دوم صفر ۱۳۵۸ھ تعداد ایکہزار
اپریل ۱۹۳۹ء

ملنے کا پتہ :- مطبع یوسفی دہلی

قیمت حصہ اول عمر قیمت حصہ دوم عمر

خاتونِ جناں فاطمہ زہراؑ

بنتِ محمد مصطفےٰ

کے نام نامی اور اسم گرامی پر اُن کی گود کے پالوں اور ان جوانانِ بنی ہاشم
کی اس تاریخِ غم کو معنون کرتا ہوں جو سب مل کر ۱۸ بنی ہاشم کے نام سے
فلکِ شہادت پر آفتاب۔ ماہتاب اور ستاروں کے جھومر کی طرح چمک
رہے ہیں۔ اور سیدۂ عالمؑ سے ملتجی ہوں کہ جس طرح آپ کے بابا اشرف
مُشرّفِ منزلِ قابَ قوسَینِ اَوْ اَدنیٰ۔ مُشارٌ الیہ دَنیٰ فَتَدَلّٰی۔
محبوبِ خدا نے میری حقیر تصنیف اور اپنے محبوب نواسے کے الفا
حال ہیں اس کتاب کے حصۂ اول مقتلِ سادات کو یہ شرف قبولیت
بخشا کہ ہر کس و ناکس اُس کا فریفتہ ہے۔ اسی طرح آپ کو اپنے گود کے
پالوں اور گیسوؤں والوں کا واسطہ اس حصۂ ثانی کو نظر قبول سے
ملاحظہ فرما کر اس قابل بنا دیجئے کہ ہر زبان سے تحسین کے پھول اس
برسیں اور میری طرف سے وہی پھولوں کی چادر گنجِ شہیدانِ کربلا
مزارہائے مقدسہ پر نذر چڑھائی جائے۔

پُرسہ خواں۔ منیر زیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چمنستانِ محمدؐ پر خزاں

اسوقت سبطِ رسولؐ اور نورِ دیدۂ بتولؑ کا غم کائنات کے ایک ایک
ے روشن ہے۔ حضورؑ زانوئے غم پر سر جھکائے ہوئے خاکِ کربلا پر بیٹھے
نصار اور اُن انصار کا فسانہ زبان پر ہے۔ جن کا ثانی کسی نبی اور وصی کو
سا امام نصیب نہیں ہوا۔ ادہر پیشِ نگاہ وہ غمِ جانکاہ ہے جس کا مشترکہ امتحان
انبیاء اولوالعزم میں سے کوئی ایک بھی نہ دے سکا۔ اور اگر کسی نے زرہ امتثال کو
امرِ حکمِ الٰہی کی تعمیل کرنی بھی چاہی تو صرف ایک بیٹے کے معاملے میں آنکھوں
سے پٹی باندھ کر دامن گردانے۔ مگر ختمِ امتحان کی سند فوراً ایک بہشتی جانور
کے مختصر شہادت پر لگ کر رہ گئی۔ یہاں نہ صرف بیٹے کا سوال ہے اور نہ
ب بیٹے کا۔ قوتِ بازو بھائی بھی ہیں اور ان میں ماہِ بنی ہاشم جیسا بھائی،
بتیجے بھی۔ اور ان میں شبیہ حسنؑ قاسم جیسا بھتیجا، بھانجے بھی ہیں اور محمد جیسا رسولؐ
بچپن کی تصویر بھانجہ، بیٹے بھی ہیں جن میں ہمشکل پیغمبر علیؑ اکبر جیسا کڑیل
ن اور علیؑ اصغر جیسا چمنستان محمدؐ کا شگوفۂ ناشگفتہ اور ناقۂ صالحؑ کی طرح
ے زبان، اولاد والو بھائی بھتیجوں بھانجوں والو اب کلیجوں پہ ہاتھ رکھ لو

حسینؑ کی بھوک پیاس، تباہی، بربادی۔ انصار کی شہادت۔ مخدرات کے ساتھ بیوطنی و غربت اور تمہارے خیال میں جو کچھ مصائب آسکتے ہیں انہیں تھوڑی دیر کیلئے نظر انداز کردو اور سمجھ لو کہ یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر اب صرف اس پہلو پر نظر ڈالو کہ ایک مظلوم کا اٹھارہ جوانوں اور بچوں سے بھرا پُرا لشکر کو فیوں کی کم سے کم نوّے ہزار فوج کے مقابل خالی ہونے کو کمر بستہ کھڑا ہے۔ مفارقت کی گھڑی سر پر ہے۔ ایک ایک عزیز کی تصویر آنکھوں کی راہ سے قلب میں اتر رہی ہے اور حسینؑ سے سفارش کرتی ہے کہ تا دم واپسیں ایک ساعت کیلئے آنکھ سے اوجھل نہ کیا جائے۔ بتاؤ۔ جواب دو، کہو اور ضرور کہو کہ قلب انسانی کا کیا تقاضہ ہے؟ انصاف کیا چاہتا ہے؟ محبت اور اولاد کی محبت کیا کہتی ہے جذبۂ الفتِ برادرانہ کا کیا منشا رہے؟ بھانجوں اور بھتیجوں کا نازک تعلق کہاں تک اور کیا کیا گوارہ کرتا ہے؟ بس یہ وہ سوالات تھے جن کے جواب میں کربلا کے بن کی خاک اُڑ اُڑ کر ماتم کا ثبوت دے رہی تھی۔ دریا کی موجیں چاک جگر کی تصویر بن گئی تھیں۔ پرندوں نے باوجود اس تپش اور حرارتِ آفتاب کے آشیانوں کو چھوڑ دیا تھا۔ چوپائے چراگاہ سے منہ پھیر پھیر کر کھڑے ہو گئے تھے۔ گلزار محمدؐ پر خزاں آنے کا یقین ایک ایک باغی کے خنجر و تبر لے کر بن پھولے پھلے نخل کاٹنے کی تیاری سے ہو رہا تھا۔ مگر امامِ ہمام علیہ السلام راہِ خدا میں تمام تعلقات دنیا کو اپنی تیغ صبر اور اپنے ہاتھ سے کاٹنے کو یا عَلِیُّ اَدْرِکْنِیْ کہکر اُٹھے۔ اغلب ہے کہ روحِ رسولؐ اپنے نواسے کی ہمت مردانہ پر جوشِ محبت میں اپنے کندھوں پر سوار ہونے والے کو اب گلے سے لگانے ضرور بڑھی ہو گی، کیا تعجب ہے کہ حضرت مشکلکشاؑ نے حسینؑ کے اس استغاثہ پر حل مشکل کے لئے اپنے مظلوم فرزند کے قلب پر وہ ہاتھ رکھدیا ہو جسے مجازاً دستِ خدا کہتے

میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی۔

امام علیہ السلام نے ایک گہری نگاہ اس مختصر جماعت پر ڈالی جو عبداللہ ابن حسنؑ، حضرت علی اصغرؑ اور دو صاحبزادگان جناب زینبؑ کو علیحدہ کر کے جو اسوقت خیمے میں تھے چودہ معصومین کے شمار سے زائد افراد پر مشتمل نہ تھی فرمایا! بھائیو! بیٹو!! بھتیجو!!! علیؑ و عقیلؑ کے درندہ شیرو!!!! مقابلے۔ سوال اور جواب کا وقت گذر گیا جو اصحاب و انصار کی موجودگی تک منتہی ہوتا تھا۔ وہ بہادر تھے، جری تھے، شریف تھے، نجیب تھے، جو وعدہ حسینؑ سے کر کے چلے تھے اس پر ثابت قدم رہے۔ میدان امتحان میں آئے، بھوک اور پیاس میں ساتھ دیا، جرأت کے جوہر اور شجاعت کے کرشمے دکھائے۔ سپہ شام کا زعم ناقص اور مغالطہ صاف اور رفع کر دیا۔ ایک ایک نے کشتے کے پشتے لگائے۔ منہ پر زخم کھائے اور پشتوں پر وار لگائے۔ مارا اور مرے۔ غازی تھے کفّار کو دارالبوار پہنچایا اور اب خود پاؤں پھیلائے آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ مجسّمے یہاں ہیں اور روحیں اعلیٰ علیین کی سیر کر رہی ہیں۔ یہ سب کچھ اُس جنگ یا جہاد کا نتیجہ تھا جو انسانی طاقت سے انسانی طاقت کا تصادم تھا۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ جس مقابلہ کا افتتاح اب ہونیوالا ہے، وہ بیشۂ اسداللہؑ و عقیلؑ کے ہاشمی شیروں اور سفیان و معاویہ کی چند دغا پیشہ لومڑیوں کے مابین پیش نظر ہے، اسلئے میں نہیں سمجھتا کہ ہم ان کا مقابلہ کر کے انھیں اپنا مدمقابل بنائیں جن کی میراث فرار ہو۔ ہاں ہمیں درگاہِ ربّ الارباب میں حسب وعدہ اپنے اپنے سر ہاتھوں پر نذر رکھکر جانا لازمی ہے اور اس معاملہ میں سردار کو اپنے ماتحتوں پر جو ترجیح و تقدم حاصل ہے وہ تمہاری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں خود اپنا سر بطور ایک ہدیۂ مختصر لے کر اس راہ

میں بڑھوں۔ اور شمر کو پکاروں، اِس معاملہ میں امید نہیں کہ تم میں سے کوئی مجھ پر شرف پائے گا یا میری راہ میں آڑے آئیگا۔ میرے بعد علی التواتر اور حسبِ مراتب اسی طرح باقی سب عزیز میرے نقشِ قدم پر چلتے رہیں گے۔ یہانتک کہ حوض پر پھر ایک مرتبہ علیؑ مرتضیٰ کے سامنے جمع ہو جائیں اور اپنی پیاس بجھا کر اپنی اپنی دائمی قیام گاہ میں آرام کریں اس میں یہ بھی ہوگا کہ میرے بعد کسی جری کو تیغ کے جوہر دکھانے کی حسرت بھی نہ رہے گی اور اس طرح نانا کی امت خون کے دریا میں غرق ہونے سے بھی بچ جائے گی۔ نیز اس میں شاید میرے نانا کو حضرت نوحؑ پر جہاں ہزار مواقع فخر ہیں وہاں یہ بھی ایک موقع اور مل جائے "

چمنستان محمدؐ کا پہلا پھول

عبداللہ ابن مسلم

نسل عقیل کا شیر اور حراول مسلم کا فرزند اٹھارہ بنی فاطمہ میں اوّلیت شہادت حاصل کرنے کیلئے امام ہمام کی المناک تقریر سُنکر اٹھا۔ دونوں ہاتھ باندھے اور آنکھوں میں کچھ غم اور کچھ جوش کے مشترکہ آنسو بھرے سامنے آیا۔ اور اس طرح عرض کی "حضور والا کی فصیح تقریر کے سامنے فصحائے عرب گنگ ہیں۔ لیکن چونکہ حضور کی شیریں سخنی نے سب بندگانِ دولت کے لب کھولے ہیں اور کانوں میں آپ کی زمزمہ سنجیاں گونجتی رہی ہیں۔ اسلئے بصد ادب یہ عرض کرنے

کی جرأت ہے کہ ہوگا تو وہی جو حضور چاہیں گے اور حکم دیں گے۔ لیکن آپ کے قدموں پر سر کٹانے اور روح نکلنے کی جو تمنّا آج تک قلب میں نشوونما پا رہی تھی ایسا نہ ہو کہ آج مایوسی کے عالم میں شہادت سے پہلے ہی وہ ہر بُن مو توڑ کر نکل جائے اور دم سینے میں گھٹ جائے۔ بفرمان حضور جب ہمیں قبل و بعد آج شہادت کا جام پینا ہی ہے۔ تو دل کے ارمان نکال کر ہی کیوں نہ پئیں۔ اور حضور نے جہاں انصار کو اپنے سامنے خلعت فاخرۂ شہادت سے ملبّس ہوتے دیکھا ہے۔ اگر یہی فخر حضور کی چشمانِ حق بیں کے سامنے آپ کے اُن غلاموں کو حاصل ہو جائے جن کی رگوں میں آپ کی قرابت کا خون آج جوشِ شجاعت بن کر دوڑ رہا ہے تو آپ کی غلام نوازیوں سے کیا بعید ہے"۔

"اس سلسلہ میں آپ کے غلام اور حراول مسلم ابن عقیل کا فرزند عبداللہ ابن مسلمؑ اسی عزت کا طالب ہے جو انصار میں حُر کو پہلی اجازت عطا فرما کر بخشی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اقارب میں جنگ کی پہلی خدمت مردان اہلِ بیت کے مجھ غلام کو تفویض کی جائے۔ میرے غریب باپ مظلوم مسلمؑ نے بھی فرزندِ رسولؐ کے لئے خدمت حراول انجام دی تھی، اب میرا دلِ مضطر بھی حضور سے اِسی سعادت کا طالب ہے"۔

حضرت نے غور سے عبداللہ ابن مسلم کے معصوم چہرہ پر نگاہ کی۔ اپنے بھائی اور پردیسی قاصد اور شہید کی تصویر ہو بہو آنکھوں میں پھر گئی۔ یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا "عبداللہ! بیٹا! تم نے ہمیں رونے اور اپنا داغ دینے کا پہلو کس حُسن سے نکال لیا۔ جانِ عَم! مجھے جو جو کچھ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہے وہ ابھی سے دیکھ رہا ہوں۔ تم جس سعادت کے طالب

ہو وہ تو روزِ اول سے تمہاری پیشانی پر لکھی ہوئی ہے۔ حسینؑ لفظ بہ لفظ محضرِ شہادت میں بھی پڑھ چکا ہے اور اِس وقت بھی ایک ایک حرف میرے پیشِ نگاہ ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ اپنی غم نصیب بیوہ ماں کی زیست کا پہلو کیا سوچا ہے؟ بیٹا اِس قربانگاہ سے اسکا ہاتھ پکڑ کر کہیں لیجاؤ خود بھی جیو اور اسے بھی کچھ دن جینے دو۔"

عبداللہ اب جوشِ شجاعت اور ولولہ شہادت کو ضبط نہ کرسکے۔ باپ کی یاد اور چچا کی شفقت پر آنسوڈبڈبا آئے۔ سرِ امام کے پاؤں پر رکھدیا۔ اور کہا "عموئے نامدار آپ سے کسی امر پر اصرار کو ناقابلِ معافی جُرم سمجھتا ہوں۔ مگر حضور اس امر کے شاہد ہیں کہ طفولیت سے آج تک کبھی آپ کے سامنے کسی امر پر ضد نہیں کی، لیکن جو قضا سر پر سوار اور جو سر اس وقت شانوں پر بار ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اس امانت سے جلد سبکدوش ہوجاؤں۔ مولا اب میری ہستیٔ ناچیز کا ہدیہ رد نہ فرمائیے۔"

حضرت نے سینہ سے لگا کر کہا" خدا حافظ جائیے۔ اللہ کی پناہ میں سونپا۔ مسلم منتظر ہیں، علیؑ کوثر کا جام لئے کھڑے ہیں۔ نانا رسولؐ دیکھ رہے ہیں کہ مردانِ اہلبیت میں سے گوئے سبقت کون حاصل کرتا ہے۔" عبداللہ کے چہرے پر خون تمتمانے لگا۔ آنکھوں میں ایک دلفریب نور پیدا ہوا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو فوجِ شام کے دل بادلوں میں ایک بجلی سی چمک گئی، جس نے جاگتوں کی پلک جھپکا دی اور خفتہ بختوں کو موت کا پیغام پہنچا کر بیدار کردیا۔

بیوہ کا بچہ

مسلم کا یتیم۔ مرادوں کا پالا۔ رقیہؑ بنتِ امیرالمومنینؑ کا چاند، قمرِ بنی ہاشم کا حقیقی بھانجا، سن و سال میں قلیل مگر جوانوں سے زیادہ شجاعت کا ولولہ دل میں لے کر میدانِ قتال میں شیر کی طرح سینہ تانے بڑھا۔ یہ وہ بچہ تھا جسے شجاعت و فصاحت دو نو جوہر کمال کی

کئی طرح اور طرف سے میراث میں ملے تھے۔ اس لئے جو الفاظ اُس کی زبان سے آج پہلے پہل میدان جنگ میں نکلے وہ کتاب شجاعت کا ایک معنی خیز دیباچہ الگ ہیں اور صدف ہاشمیہ کے لئالیِ آبدارِ فصاحت جداگانہ۔ میدان کارزار میں خاندان اہلبیت کے پہلے مجاہد کا نور چمکتے ہی مہرِ منور سے ضیا پانے والے ذرّوں نے بلند ہو کر ان کی نور بھری پیشانی کو چوما جو کسی دلخراش انجام کا اشارہ تھا اور یہ تلوار نکال کر اس طرح رجز پڑھنے لگے۔

عبداللہ کی رجز خوانی

"وہ وقت آگیا جب امامِ دوجہاں پر مصیبت کا وقت دیکھ کر عقیلؑ کا پوتا اور خدا کے شیر کا نواسا صفِ ہیجا کے قریب آپہنچا۔ مظلوم حراول کا یتیم ہوں اور حراول بنی فاطمہؑ بن کر آیا ہوں۔ رحم کی درخواست کے بدلے موت کا پیغام ساتھ ساتھ ہے۔ یزید کے شغالان زرد سے کہدو کہ شیر خدا کا شیر بچپن میں پہلے پہل تلوار اٹھا کر آیا ہے۔ اور سروں کا مینہ برسا کر اسے غلاف کرے گا۔ وہ جو خدا کی ہستی بھول گئے ہیں اب اپنی ہستی سے باخبر ہو جائیں کہ اس کا نیستی میں بدل جانے کا وقت قریب آگیا ہے۔"

فلسفۂ شجاعت

بظاہر چند لفظ ہیں اور وہ بھی چند الفاظ کا ترجمہ اور مفہوم۔ لیکن الوالالباب سے پوچھو کہ کیا حقیقت سے لبریز اثر ایک ایک نقطہ میں پوشیدہ ہے۔ قاعدۂ دنیا بتاتا ہے کہ جس کو پہلے پہل تقریر کا اتفاق ہو تو کیا کیفیت ہوتی ہے۔ لفظ ڈھونڈے نہیں ملتے۔ زبان لکنت محسوس کرتی ہے۔ جبین عرق آلود نظر آتی ہے۔ بخلاف اس کے میدان قتال کی تقریر۔ دشت ستم کا موقعہ۔ مخالفین کی کثرت،

مجاہدین کا انجام پیشِ نظر۔ باوجود ان کے تین دن کی بھوک اور اتنے ہی عرصہ کی پیاس، اور عرب کے موسم گرما کی پیاس۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔ آخر یہ کیا تھا؟ میدانِ کربلا جو ایک ہفتہ سے مورد ملائکہ مقربین وارواحِ طیبین بنا ہوا تھا۔ اس وقت جن نفوس طیبہ کا حامل ہے۔ وہ خلد بریں برا سے فخر ومباہات کا مایۂ صد ناز موقع دے رہے ہیں۔ عبداللہ ابن مسلم کی آنکھیں اس وقت جن چہروں پر ہیں وہ وہ ہیں جو پروردگارِ عالم کی ذات کے مظہر بنکر اس خاکدانِ عالم کو روشن کرنے آئے تھے۔ عبداللہ کے یمین میں روحِ علیؑ ہے جس کا پرتوِ جلال یتیم مسلم کے چہرہ میں درخشندہ ہے۔ روحِ رسولؐ سامنے ہے جو حق وراستبازی کی شاہ راہ پر استقامت کا سبق دے رہی ہے۔ عقیل پوتے کے یسار میں حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اپنی شجاعت بخش رہے ہیں۔ مسلم کا ہاتھ راج دلارے کی پشت پر اس امر کا اشارہ کر رہا ہے کہ بیٹا جس طرح میں نے قصر زیاد پر کوفے میں اپنی جان سیدۂ عالم کے چشم وچراغ پر نچھاور کردی ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنی نانی امّ البنین کو بضعۃ النبی کے سامنے سرخرو کرنا۔ بیٹا تم تو پھر حدودِ طفلی سے نکل گئے۔ تمہارے نانا نے تو گہوارے میں اژدر کو چیر دیا تھا۔"

اہل دل اب سمجھ لیں کہ اس سامانِ حوصلہ افزائی کے بعد وہ شیر جسکی رگوں میں خود بھی ہاشمی خون براہِ راست دوڑ رہا ہو، موت کو اس صورت میں بازیچۂ اطفال سے کتنا زیادہ سمجھے گا؟

اور ذرا وضاحت سے واقعۂ موجودہ کی تصویر اس طرح روشنی میں آئے گی۔ کہ رسول کریمؐ کی زبان عبداللہ ابن مسلم کے دہن میں اور کشندۂ مرحب کا تہوّر ان کے چہرہ میں کام کر رہا ہے۔"

جنگ اور شہادت

شیاطین بنی امیہ اور سیہ کاری کے پتلوں پر اس وقت ایک طفل بنی ہاشم کے الفاظ اور تہور سے وہ حالت طاری ہے۔ جس کی مثال صبح سے اب تک کسی جواں سال مجاہد کے مقابلہ میں نہیں ملتی۔ جب عبداللہ نے دیکھا کہ سامریانِ وقت مبہوت اور ساکت ہیں۔ اور ان کی تلواریں ساحرانِ فرعون کے مردہ سانپوں میں متشکل نظر آرہی ہیں تو یہ اپنی شمشیرِ عصائے موسیٰ تمثال لے کر جوش میں بڑھے اور دشمنانِ خدا کی صف میمن میں گھس گئے اور یہاں تک تلوار کے جوہر دکھائے کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی کی بجائے عقیلؑ اور مسلمؑ کی دہائیوں کی آواز چار دانگ لشکر سے بلند ہونے لگی۔ خُلقِ رسولؐ اس گھرانے کا شیوہ تھا۔ جانشین رسول مظلوم حسینؑ اب تک فرماں روائے لشکر مجاہدین ہیں۔ ذرات اہلبیت شمس امامت سے اکتساب حاصل کر رہے ہیں۔ مجاہدین کو سب سے پہلا حکم دے چکے ہیں کہ استغاثہ پر تلوار جہاں ہو وہاں روک لینا۔ عبداللہ اسی تعلیم کے حامل اور اسی فرمان امام کے زیر تحت جنگ کو نکلے تھے۔ الغیاث کی آوازیں اور اپنے بزرگوں کی دہائی سنکر رک گئے۔ داہنے ہاتھ سے تلوار میان میں رکھی اور بایاں دست مبارک چاندسی پیشانی کی طرف عرق جبین صاف کرنے کیلئے بڑھایا کہ اسد ابن مالک ملعون نے فرصت پاکر ایک تیر ایسا مارا جو پشت دست سے پار ہو کر پیشانیٔ انور میں پیوست ہو گیا۔ ہاتھ اور ماتھے کا یہ وصال اس یتیم کے لئے سببِ وصال آلہیہ ہوا۔ یہی کف دست اور پیشانی وہ اعضائے یتیم مسلم ہیں جن پر امام زماں عجل اللہ فرجہ نے اپنی زیارتِ مخصوصہ میں خصوصیت کا سلام کیا ہے۔

مجاہداول کی صف ماتم ادھر مظلوم کربلا محمدؐ ابن مسلم کو ہمراہ لیکر

ان کے شہید بھائی کی لاش اٹھانے کے لئے بڑھے اور اُدھر خیمۂ اہل بیت میں عبداللہ کی خبرِ قتل پہنچتے ہی مجاہدِ اولِ بنی ہاشم کی صفِ ماتم پر خواہر علمدار پچھاڑیں کھانے لگی۔

اولاد والی بیبیاں اس موقع پر اندازہ لگا سکتی ہیں کہ وہ بیوہ جس کا تاج گر چکا ہو، جس کا راج اُلٹ چکا ہو نہ صرف یہ بلکہ جس کی آغوشِ شفقت سے چند ماہ پیشتر دو جگر پارے علیحدہ ہو کر اب تک قیدؔ کی ایذا اٹھا رہے ہوں، اس تیسرے کوہِ مصیبت کے برداشت کرنے کی طاقت کس بیوہ کے دل اور کس ماں کے قلب سے قرض مانگ کر لائے۔ مگر واقعات بتائیں گے کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اور جو حالت دکھائی گئی ہے محض دل کی آنچ اور اولاد کی ممتا کا ایک فوری کرشمہ ہے۔ ورنہ جگر گوشۂ سیدہ کے لئے اس واحد دن اور دن کے مخصوص حصے میں جس استقامت و استقلال سے خواتین عصمت و طہارت نے آج کربلا کی قربان گاہ میں صدقے اتارے ہیں اس بہادری اور دلیری سے کبھی سام و نریمان کو بھی میدان میں اترتے نہیں دیکھا۔

بھائی کی لاش پر یتیم کے بین

آہ! مظلوم کربلا عبداللہ کے سرہانے پہنچ گئے شہید مظلوم کے چھوٹے بھائی محمد ابن مسلم نے اپنے چاند سے رخسار بھائی کی شفقِ خون سے لال پیشانی پر رکھ دیئے اور گرم گرم آنسوؤں سے خون دھونے اور زخم کو سینکنے لگے

لہ ہم اپنے سلسلۂ بیان میں ان دو صاحبزادوں کی شہادت نہر کے کنارے پر حصہ اول میں اس لئے لکھ آئے ہیں کہ پھر تسلسل میں اس روح فرسا واقعہ کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔ ورنہ یہ دونوں شہادتیں واقعہ کربلا کے ایک سال بعد عمل میں آئی ہیں (مؤلف)

آہ۔ مگر آقائے دو جہاں کے ادب سے زبان نہ ہلائی۔ حضرت سے جب یہ روح فرسا نظارہ نہ دیکھا گیا تو آپ پرے ہٹ کر رونے لگے اور اب محمدؐ ابن مسلم کو اس طرح دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا۔

"بھیا اماں کا رنڈاپا تمہارے بھروسے پر کٹ رہا تھا۔ میں تو ان کا ایک ادنیٰ غلام ہوں مجھ سے ان کی خدمت کیا ہو سکے گی۔ تم سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ بابا زندہ ہیں قید میں مبتلا یتیموں کی یاد تم ہی بھلاتے تھے، تمہارے ایک دم سے گویا وہ تینوں دم زندہ اور موجود تھے۔ اور اماں کی حیاتِ چند روزہ کا یہی ایک سہارا تھا۔ بھیا اب تم بھی ان کو اکیلا چھوڑ چلے اور تمہارے بعد میں بھی اب جی کے کیا کروں گا تو اب یہ تو بتاؤ کہ اُس غم رسیدہ کی قبر کون بنائے گا؟" یہ کہکر محمدؐ بھائی کی لاش سے لپٹ گئے اور اس طرح بے اختیار روئے کہ امام ہمام کا جگر پاش پاش ہوگیا۔

بیوہ ماں کا زخم جگر

آخرکار اپنے صبر کا پرتو ڈال کر ایک کو سینے سے لگائے اور دوسرے کا لاشہ شانے پر اٹھائے حضرت نے خیمہ کا رخ کیا۔ علمدار اور اکبرؑ دلاور نے دوڑ کر شانہ بدلوایا۔ لاش حضرت عباسؑ نے لی اور محمد کو ہمشکل پیغمبر نے سنبھالا۔ زندہ درگور اور شہید دونوں بھائی ایک دائمی خواب سے سرشار اور دوسرا غم سے دلفگار۔ رانڈ اور بے ہوش ماں کے پہلوؤں میں لٹا دئیے گئے۔ انصاف طلبی کا پھر ایک موقعہ آرہا ہے۔ دنیا کے مذاہب اپنی کتب میں۔ دنیا کی تاریخیں اپنے اوراق میں بڑے بڑے دلخراش واقعات رکھتی ہیں۔ مگر خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہیں اور اندازہ لگائیں کہ کیا یہ بیوہ اب ہوش میں آئے گی؟ اس دکھیاری کا عالم امتیاز میں آنے کے بعد کیا حال ہوگا؟ کیا کوئی تکلیف

قربانی اس پر اب بھی باقی ہے ؟ ایسے ہی بہت سے سوالات غور طلب پیدا ہو سکتے ہیں بشرطیکہ عدل وانصاف سے محاکمہ کرنے والا قلبِ سلیم پہلو میں ہو۔

اپنے جوابات کو ذہن میں رکھئے اور چشم حقیقت سے دیکھئے کہ مصیبت زدہ ماں اٹھی پہلی نگاہ خون میں تر لاش پر پڑی۔ ہاتھ سے بٹے ہوئے گیسو سونگھے۔ خون بھرے رخساروں کی بلائیں لیں اور اپنا دودھ بخشکر آہ سرد بھرتے ہوئے فرمایا" بیٹا! سیدۂ عالمؑ کے سامنے ماں کو سرخرو کیا۔ طوبیٰ کے نیچے پاؤں پھیلا کر سوؤ"

یہ کہہ کر جو دل بھر آیا تو آنسوؤں سے روئیں ماں کی آواز سے محمدؑ اٹھے اور عرض کی اماں جس دل پر تین داغ برداشت کئے ہیں اسی دل کی طاقت سے اب ہمیں بھی شاہ دین و دنیا کے قدموں پر فدا ہونے کی اجازت دیجئے"

جناب رقیہؑ نے دل کو سنبھالا۔ دوسرے گیسو دراز کو آخری نگاہ محبت سے دیکھا اور کہا" بیٹا یہ کس سے کہہ رہے ہو، اور کیا کہہ رہے ہو، تمہاری ماں، بدنصیب بیوہ۔ سوائے تمہارے اور کچھ رکھتی ہی نہیں۔ ورنہ اگر عبداللہ اور تم جیسے پچاس بیٹے ہوتے تو بھائی کے ناخن پا پر نثار کر دیتی۔ میری تو ہستی ہی کیا ہے۔ سیدۂ عالمؑ کی جانشین بی بی زینبؑ کو دیکھو رات سے عونؑ و محمدؑ کو بھائی کے گرد پھرائے بیٹھی ہیں۔ ان کا بھی تو ایک چاند تمہارا ہمنام ہے۔ مگر ماتھے پر شکن نہیں۔ تمہارے جانے اور میدان سے خون میں نہائے آنے میں جتنی تاخیر ہے بیٹا یہ ان پر شاق ہے اور وہ تو وہ اگر تم دیکھنا گوارا کر سکو تو جاؤ اور بانوئے عالم اُم رباب کے خیمہ میں جا کر دیکھو کہ چھ مہینہ کا

شیر خوار بچہ کس طرح جھولے میں سے ہمک ہمک کر میدان کے اشارے کر رہا ہے۔"

ماں کی یہ حوصلہ افزا اور پُر تمنا باتیں سُن کر محمد ابن مسلم ماموں سے اذن خواہِ میدانِ جنگ ہونے کیلئے خیمہ سے باہر آئے۔ دکھیاری ماں نے آخری نشانی کی پشت دیکھی اور زندگی میں منہ نہ دیکھنے کا اندازہ لگا کر باقتضائے بشریت پھر اپنے حواس بیہوشی کے سپرد کر دیئے۔

چچا بھتیجے کی رخصت

میدان قتال کی آرزو میں حضرت مسلمؑ کا دوسرا فرزند اذنِ مادر کی مسرت کا غازہ

---

[1] حضرت مسلمؑ کے یہ صاحبزادے بعض روایات کی بنا پر اگرچہ رقیہؑ بنتِ امیرالمومنین کے بطن سے نہ تھے بلکہ ان کی والدہ گرامی اُم ولد تھی۔ جو واقعۂ کربلا سے قبل انتقال فرما چکی تھیں لیکن محمد ابن مسلم نے آنکھ کھولکر حضرت رقیہ ہی کو ماں جانا اور ماں سمجھا انھوں نے بھی عبداللہ اور محمد میں سرمو فرق نہیں سمجھا اور یہ خاندان اہل بیت کی ایک خصوصیت تھی جسکی بنا پر سوانحعمریوں میں کہیں سگے سوتیلے کا ذکر بھی نہیں آنے پایا۔ محمدؐ و آل محمدؐ کے نقش قدم پر چلنے کی آرزو رکھنے والے اس سے عملی سبق حاصل کریں۔ (مولف)

چاند سے رخساروں پر ملے، عروسِ موت کے اشتیاق میں خیمہ سے باہر نکلا۔ حضرت امام نے ان کے چہرے کی سرخی۔ اعضا کی غیر معمولی چستی، اور ہاشمی خون کی رگوں میں خاص سرعت دیکھکر شیر کے بیٹے کے عزم پر کماحقہ علم حاصل کرلیا لیکن بغرض اتمام حجت غمِ دل خراش کے آنسو ضبط کر کے آگے بڑھے۔ اپنے بھتیجے اور بھانجے کو دوڑ کر گلے سے لگایا۔ اور سر پر دستِ شفقت پھیر کر فرمایا

"بیٹا مسلم کی نسل کو قطع نہ کرو اپنی رانڈ ماں کے کلیجے کی ایک ڈھارس تو باقی رہنے دو۔ مسلم نے اپنی جان اُس وقت ہم پر نثار کی جب خدا کی راہ میں ہم اس کے پیچھے گرد کارواں کی طرح رہ گئے۔ تمہارے دو بھائی عالمِ غربت میں ہمارے لئے جس طرح ایذائیں اٹھا رہے ہیں ان کے داغ تاقیامت مٹنے والے نہیں۔"

"مسلم کا تیسرا شیر موت کی آگ میں جس بہادری سے کودا ہے اُس کا روح فرسا منظر تمہاری اور ہماری آنکھوں سے ابھی ابھی خون بہا چکا ہے اب بتاؤ کہ تمہاری ماں کی پھوٹی آنکھ کا چراغ اب تمہارے علاوہ کون ہے۔ میرے لئے تم اس کی پرواکرو یا نہ کرو۔ لیکن مجھے وہ زینبؑ سے کسی طرح کم عزیز نہیں۔ اور میں نے عون و محمدؑ کی طرح تمہیں اور عبداللہ کو پالا ہے اور تم تو محمدؐ کے ہمنام بھی ہو۔"

بھانجے اور بھتیجے کا خلوص

یہ سنتے ہی محمد ابن مسلمؑ ماموں اور چچا کے قدموں پر گر پڑے اور پھر اپنی خاندانی فصاحت کا اس طرح اظہار کیا۔

"جو کچھ حضور نے فرمایا۔ آپ کی آقا نوازی اسی کی مقتضی تھی۔ دادا حضرت عقیلؑ کو امیر المومنینؑ کی خدمت کا جو شرف حاصل ہو وہ تو وہ جانیں مگر

میری آنکھوں نے جو دیکھا ہے وہ تو یہ بتاتی ہیں کہ بابا مسلم نے ہمیشہ آپ کی کفش برداری کو اپنا فخر سمجھا ہے۔ آپ کی بہن جانشینِ جنابِ سیدۂ عالم کی جوتیاں اماں ہمیشہ آنکھوں سے لگاتی رہیں۔ ہمنام ہونا اور بات ہے۔ عون و محمدؑ اگر مجھے اپنی غلامی میں لکھ لیں تو میں اس سند کو لے کر بہشت کے قصور پر فخر اور غرور کے ساتھ دقّ الباب کروں۔ ہمارے آقا حضرت عباسؑ اب تک آپ کو آقا کے علاوہ کچھ نہیں کہتے اور آپ کے بھانجے کہلانے کا حق تو جو رکھتے ہیں وہ رکھتے ہیں۔ میں تو اُن کی غلامی سے بھی اپنے آپ کو تعبیر نہیں کر سکتا۔ رہا بیوہ بابا مسلم کی زیست کا سوال؟ سو وہ ابھی ابھی مجھ سے یہ کہہ کر غش ہوئی ہیں کہ بیٹا حضرتِ زینبؑ تمہارے انتظار میں اپنے بیٹوں کو بھائی پر نثار کرنے کے لئے بے چین ہیں اس لئے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ میری تاخیر میں ان کی باری آجائے اور میں راہ دیکھتا رہوں۔ آقا اب جان مشتاق آنکھوں تک کھنچ آئی ہے۔ شبیرِ خدا کا واسطہ مجھے اپنے قدموں پر نثار ہونے کی اجازت عطا فرمائیے۔ اور میری جگہ بس اب اپنے محمدؑ کو گلے سے لگائیے۔"

اذنِ جنگ

یہ دلخراش تقریر سنتے ہی حضرتؑ نے نگاہِ یاس سے پہلے آسمان کو اور پھر یتیم مسلمؑ کے چہرے کو دیکھا، قدموں سے اٹھا کر پیشانی چومی اور گویا ان کے میدانِ شہادت میں جانے کا یہی اجازہ تھا۔ محمدؑ ابن مسلمؑ متبسم اُٹھے۔ سمند پر نشست کی جھک کر سلام کیا اور موت کے تعاقب میں بجلی کی طرح روانہ ہو گئے۔

ابو جرہم اور لقیط ابن یاس ملعونوں کے دستے کے سامنے پہنچ کر ایک

شیرانہ ہمہمہ کیا اور فرمایا:۔

محمدؐ کا رجز

"شہید آخر اور بنی فاطمہؑ کے پہلے شہید کا بھائی۔ مسلمؑ کا بیٹا۔ عقیلؑ کا پوتا۔ علیؑ کا دوسرا نواسہ آپہنچا۔ تم میں سے جسکے پاس بہترین نسب نامہ ہو۔ جرأت کے ولولے جس کے دل میں اور بہادری کے جوہر جس کی تیغ میں ہوں وہ یکہ تازِ میدان مقابلہ میں آئے۔ ہمارے نانا نے اسی عمر میں خیبر کا در اکھاڑا تھا ہم بھی آج کوفے کے دروازے تک تمہیں بھگا دینے کیلئے آئے ہیں۔

بچے کی جانبازی

یہ سنکر دستۂ مخالف سے ایک روئیں تن بڑھا۔ پیرزال کی طرح ندامت سے خم ہوکر وار پر وار کھائے۔ اور آخر کار مالکِ دوزخ کے پاس جا پہنچا۔ اسی طرح کئی جوان آئے اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

اس میں شک نہیں کہ انصارانِ حسینؑ کے وہ کارنامے بھی تا قیام قیامت صفحات عالم سے مٹنے والے نہیں جن کا اجمالی ذکر ہم نے مقتل ساداتؑ کے حصہ اول میں کیا ہے مگر وہ واقعات جو ہمارے اس سلسلۂ زریں میں اب آرہے ہیں یہ بتاتے ہیں کہ بنی فاطمہؑ کے ایک ایک بچے کی جنگ نے فوج مخالف میں وہ ہیجان عظیم پیدا کر دیا تھا کہ ہر مجاہد اپنے سے پہلے جانباز کی شجاعت کو بھلا دیتا تھا۔ اور ارواح انصار و مجاہدین سے خراج تحسین وصول کرتا تھا۔ مظلوم کربلا کے علاوہ کل ۱۷ یا ۱۸ اطفال و جوانانِ بنی فاطمہؑ نے اپنی لامثال شجاعت سے چند گھنٹے میں کئی مرتبہ قیامتِ صغریٰ کی کیفیت مخالفین کے سامنے پیش کردی اور یہی وہ واقعات ہیں۔ جہاں مورخینِ یورپ فلسفۂ شہادت پر بحث کرتے ہوئے جب پہنچتے ہیں تو

قلم ہاتھ سے گر گر پڑتے ہیں اور باوجود مادہ پرستی ان کو بنی ہاشم کی روحانیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہم اس پر تفصیلی بحث کریں تو بجائے خود ایک بسوط رسالہ کی ضرورت پڑے گی۔ اس لئے پھر محمد ابن مسلمؑ کے واقعہ کی طرف عود کرتے ہیں۔

عمر سعد کا فوج کو اغوا

جب سعد کے منحوس بیٹے عمر نے دیکھا کہ ایک طفل نوخیز نے ہزاروں جوانوں کے دم بند کر دیئے، تو اپنی فوج پر سونے اور چاندی کے لالچ کا جال پھینکنے کیلئے خیمہ سے باہر نکلا۔ میدانِ حرب کی حدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ چوبدار چھتر سنبھالے ہمراہ تھا۔ پانی کی صراحیاں لئے آبدار ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ اور یہ شوم و بدبخت پانی پر پانی پی رہا تھا۔ آخر ابو جرہم ازدی کے پاس آکر کہنے لگا۔ تم اور تمہارے فوجی دستے بہادری کے بڑے بڑے فسانے سنا کر میدان جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھانے آئے تھے۔ کیا تم میں سے ہر اک نے اب یہ سمجھ لیا ہے کہ جنگ کے شعلوں میں اور بہادر اپنی جان جھونک کر فتح کر لیں گے۔ اور زر انعام سے تم اپنی ڈھالوں کو بھر و گے جب تک جنگ کا روزنامچہ میرے منشیوں کے ہاتھ میں ہے اسوقت تک ہر مجاہد کیلئے انصاف کا قانون برتا جائے گا۔ میں برابر دیکھ رہا ہوں کہ انعام کا مستحق کون ہے۔ اور جو آنکھیں آج میں نے اس توازن کے لئے وقف کر دی ہیں وہ یہ بھی دکھا رہی ہیں کہ اب تک تم نے ایک طفل کے مقابلہ میں شکست پر شکست اٹھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔ اگر یہی کیفیت رہے گی تو میں فتح سے مایوسی اور باقی ماندہ حسینی جوانوں کے ہاتھوں شکستِ فاش سے خائف ہوں۔ کیونکہ ابھی فرزندانِ علیؑ و عقیلؑ و جعفر طیارؑ کا مقابلہ باقی ہے

میرے خیال میں اُسوقت توتم بھاگ کر کوفے کے بازاروں ہی میں دم لوگے۔"

دوسرے یتیم کی شہادت

شیطان کے اس جادو کا یہ اثر ہوا کہ بکھرے ہوئے فرعون و شداد پھر ایک دل ہو کر جمع ہو گئے۔ چوڑیاں پہننے والوں نے ترکش اور کمانیں سنبھالیں اور اب دور سے ایک بھوکے پیاسے غریب، یتیم، اور مظلوم طفل جواں سال پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ وہ موقع تھا کہ صفین و بدر کے تجربہ کار مجاہد بھی ہوتے تو موت کا پسینہ آجاتا مگر محمدؐ نے تیروں کی بکثرت آمد کو مرگ مقصدِ اقصیٰ کا پیش خیمہ سمجھکر ایک مرتبہ تبسم کیا اور چاند سا سینہ ہدف بنا کر کماں داروں کے جتھے میں گھس گئے۔ تیروں کے پر اور کمانوں کے چلے کاٹتے ہوئے شہادتِ مطلوبہ کے مقام مقدرہ تک جا پہنچے۔ جہاں ایک ساتھ ہی ابو جرہم ازدی مردود اور لقیط ابن ایاس الجہنی کے دو مشترکہ وار ایک ساتھ ہی کمیں گاہ سے فرق مقدس پر لگے جن کے اثر سے یہ مجاہد صف شکن اب گھوڑے پر نشست نہ کر سکا۔ ہاتھوں سے لجام اور پاؤں سے رکاب جدا ہوتے ہی بہادر نے آخری حسرت بھری آواز میں مَوْلَاہُ اَدْرِکْنِیْ کہا اور زمینِ کربلا پر اپنے سر کے خون میں لوٹنے لگا۔ مظلوم نینوا ہجوم یاس میں گھوڑا اڑاتے پہنچے۔ حضرتِ علمدار بھی ہمرکاب تھے۔ اسد کردگار کے دو شیروں کا رُخ ایک ساتھ میدانِ جنگ کی طرف دیکھ کر قاتلانِ محمدؐ نے روباہ فراری اختیار کی۔ مجمع کے منتشر ہونے سے میدان کی ہوا نے مجروح کے زخموں اور خشک لبوں کو مس کیا۔ لیکن لبہائے زخم بھی دریا سے مڑے رہے۔ مظلوم کربلا سرہانے پہنچکر گھوڑے سے اترے اور محمدؐ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ حضرت علمدار نے رومال سے خون پونچھا۔ اور پسینہ خشک کیا۔ محمدؐ میں اب اتنی ہی

رمق جاں باقی تھی کہ اپنے ان بزرگوں کو نگاہ واپسیں سے دیکھکر آنکھیں بند کرلیں۔ حضرت کے آنسوؤں سے محمدؐ اپنا منہ دھوکر اپنے باپ کی آغوش روح میں جا پہنچے۔ حضرت عباسؑ نے جری کی لاش اپنے گھوڑے پر ڈالی امام ہمام نے گنج شہیداں میں جاکر اتارا۔ اور بھائی بھائی کے پہلو میں دائمی نیند سوگیا۔ خیمۂ عصمت و طہارت میں بنی ہاشم کے دوسرے مجاہد کی صفِ ماتم بچھ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔

عون بن عبداللہ بن جعفر طیّارؒ

غم نصیب بہن کی قربانیاں

اب دشت نینوا کے مظلوم حسینؑ کی بیکس اور اس دکھ زدہ بہن کے بچوں کی باری درپیش ہے جس مغمومہ کی زندگی سوائے ایک نہ ختم ہونیوالے افسانۂ جانکاہ کے اور کوئی سوانح عمری ہی نہیں رکھتی۔ ان کی والدۂ ماجدہ خاتون جناں، مغمومہ، مظلومہ اور دردرسیدہ کے القاب سے ملقب ہیں۔ اور یقیناً ان کا نام اگر فضائل کے ساتھ بھی زبان پر آتا ہے۔ تو بھی خونِ

جگر گرم گرم آنسوؤں کی شکل میں صفِ مژگاں تک کھنچ آتا ہے۔ مگر اُن کی سب سے عظیم الشان مصیبت، رسولؐ امی۔ حبیبؐ اللہ العالمین کا صدمۂ فراق ہی تو بتایا جائے گا۔ یہ تو نہیں ہوا کہ ابھی شفقت مادری کے پورے لطف نہ اٹھائے تھے کہ چکیاں پیس پیس کر پالنے والی ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ابھی اس صدمۂ جانکاہ کو دل، محبت بھری آنکھوں کو آنکھیں اور غم نصیب بیٹی اپنی ماں کو نہ بھولنے پائی تھی کہ نماز صبح کی وضو کرتے کرتے قَدْ قُتِلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی آواز دہن جبرئیلؑ سے سُن لی، نہ صرف سننا بلکہ جس ریشِ نورانی کو اُس شب کے حصۂ اول میں اپنے رخساروں سے مَل رہی تھیں صبحدم اپنی آنکھوں سے خون میں تر دیکھ لیا۔ جن بیٹیوں کے سر پر سے حسرت دل نکلے بغیر باپ کا سایہ اُٹھ گیا اور تسکین دینے والی ماں بھی رخصت ہو چکی ہو، ان کے دلوں سے اِسی ماجرائے غم کی تفصیل پوچھئے تو شاید کچھ اندازہ ہو سکے۔ بہر حال کیا دنیائے دنی نے حضرت زینبؑ کے غم و ملال کی تاریخ کو ختم کر دیا؟ اس روح فرسا واقعہ کو مشکل سے گیارہ سال گذرے تھے کہ اس بڑے بھائی کے جگر کے ستّر اور دو بہتّر ٹکڑے لگن میں گن لئے جسکو سر سے سینہ تک دیکھکر یہ یتیمہ و مظلومہ اپنے بابا کی تصویر اپنی آنکھوں کے سامنے پاتی اور اپنے اُجڑے ہوئے راج پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی تھی مگر اب خون جگر بہانے کا وقت آگیا تھا کہ وہ بھی جام سم آلود کی نذر ہوا۔

یہ سب کچھ ہوا۔ اب ایک بھائی کا سُکھ تو تقدیر دیکھنے دیتی۔ افسوس صد افسوس گردشِ لیل و نہار محمدؐ کی اس مصیبت زدہ نواسی کو اُس میدان میں لے آئی جہاں وہ اپنے صرف ایک اور واحد باقی ماندہ بھائی / نانا کی

دوسری نصف تصویر، بابا کی نشانی۔ ماں کی آغوش ناز کے پالے اور رسولؐ کے کاندھوں پر سوار ہونے والے کی جان بچانے کی فکریں اپنے دو چاند سے گل رخوں کو لئے اپنے ماںجائے کے گرد پھر رہی ہے۔

افسانۂ ماتم

اب جو بہن بھائی کی دلخراش باتیں ہوئیں وہ افسانۂ ماتم سے کم نہیں ہیں۔ میں کیا بیان کروں گا اور قلم کیا لکھیگا۔ مگر یہ کہے دیتا ہوں کہ بہنوں والے بھائی اور بھائیوں والی بہنیں اب ذرا کلیجوں کو مضبوط پکڑ لیں۔ مظلوم و بیکس چار و ناچار بھائی سر جھکائے بیٹھا ہے۔ اور جس پر مندرجۂ بالا مصائب کے پہاڑ ٹوٹ چکے ہیں وہ تین دن کی بھوکی پیاسی درد رسیدہ۔ مظلومہ۔ یتیمہ اور سیّدانی اپنی تمام کائنات دو پھول سے بچوں کو لئے اُس کے گرد پھر رہی ہے۔ آخر حسینؑ نے گردن اٹھائی۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر پوچھا! بہن! زینبؑ!! فاطمہؑ کی جانشین!!! آخر خیر تو ہے؟ یہ کیا دل میں سمائی کہ بچوں کا ہاتھ پکڑے میرے گرد پھر رہی ہو! اللہ اللہ آج تو بیٹھ کر حسینؑ کا حال زار بھی نہیں سنتیں" قیافہ شناس بہن نے بھائی کے ضبط کا اندازہ لگا کر خود بھی آنکھوں میں آنسو پیئے اور سر جھکا کر کہا" رسولؐ کے راج دُلارے! علیؑ کے پیارے!! خاتونِ جناں کی آنکھوں کے تارے!!! لا وا لی و وارث زینب کا آخری سہارا ٹوٹ رہا ہے اس لئے ہوش و حواس گم ہیں۔ اگر خدمت میں کوئی کمی ہوئی ہو تو حسنِ سبز قبا کا واسطہ معاف کر دینا" کہنے کو تو یہ لفظ کہدیئے۔ مگر اب خیالِ انجام کے اثر سے دل ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور بہن نے دوڑ کر بھائی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ بچے یہ جانکاہ نظارہ دیکھکر ہاتھ جوڑے ہوئے

سامنے آ کھڑے ہوئے۔ زینبؑ کی ہچکی بندھی ہوئی ہے۔ امام پوچھتے ہیں بہن آخر چاہتی کیا ہو" ماںجائی بہن فراقِ مستقبلہ اور گریہ گلوگیر سے کچھ بول نہیں سکتی۔ آخر چھوٹے چھوٹے ہاتھ باندھے ہوئے بچوں نے کہا" ماموں جان! اماں کی زندگی بس اب ہمارے لئے اذنِ جنگ عطا ہونے میں ہے۔ اُن کی رات بھر کی تمنائیں اب صرف ہمارے لئے حضورؑ کے حکمِ جہاد میں پوشیدہ ہیں۔ آج صبح سے وہ ہمارے نیمچوں کو صاف کر رہی ہیں کہ کسی طرح شمر و عمر کے سُر ان کی نذر ہوں اور آپ کی جان بچ جائے۔ فرمایئے۔ فرمایئے۔ حضور کا کیا حکم ہے۔ آیا ہم گھوڑوں پر سوار ہوں یا آپ کو یہ منظور ہے کہ ہماری غم نصیب اماں جان آپ کی آغوش میں روتے روتے اپنا آخری سانس لیں"

عون و محمدؑ کی ان بھولی بھالی باتوں نے سیدؑ صابر و شاکر کے قلب کو پارہ پارہ کر دیا۔ مگر پھر صبرِ امامت سے کام لے کر آپ نے بہن کا سر گود سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور فرمایا:" ماں کی جگہ زینبؑ! بہن پیاری بہن!! صرف اتنی سی بات کے لئے تم نے اتنی فکر کی، عون و محمدؑ کے محضرِ شہادت پر تو میں روزِ ازل پیشِ ربِّ ذوالجلال اپنے خون سے مہر ثبت کر آیا ہوں۔ مگر علیؑ مرتضیٰ کا واسطہ اپنے بھائی کے ایک سوال کا جواب دیدو اور پھر خود اپنے شیروں کو پشتہائے فرس پر اپنے ہاتھ سے سوار کر کے بھیجنا۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ان دو گُل اندام گودی کے پالوں کی جنگ کربلا سے کوفے تک شیاطین بنی امیہ سے بھرا ہوا جنگل خالی کر دیگی؟ زینبؑ! بہن زینبؑ!! یاد رکھو اگر اُن میں سے ایک ظلم کا پُتلا بھی بچ گیا۔ تو اس کا خنجرِ خونخوار میری

گردن کی رگیں ضرور کاٹے گا۔ پھر اس صورت میں انھیں بھی ہاتھ سے کھو کر کیوں بے آس ہوتی ہو۔ کیوں ہم کو کڑھاتی ہو اور کیوں خود عمر بھر خون کے آنسو روتی ہو۔"

جنابِ زینبؑ نے دل سنبھال کر کہا: "بھیا! باپ کے قائم مقام حسینؑ!! عونؑ و محمدؑ کے نانا نے دم کے دم میں خندق کا میدان لاشوں سے پاٹ دیا تھا۔ کیا ان کے نواسے آج دشتِ ماریہ میں کشتوں کے پشتے بھی نہ لگائیں گے۔ اگر ایسا ہی ہوا جو میں کہہ رہی ہوں تو فَھُوَ الْمُرَاد ورنہ بھیا جب تم ہی نہ ہو گے تو میں ان لاوارثوں کو لے کر کہاں در در پھروں گی اس لئے میری دعا ہے کہ ان کی زندگی کا رشتہ بھی آج ہی تمہارے سامنے کٹ جائے۔ ورنہ خدارا یہ دعا کرو کہ میں زمین میں زندہ سما جاؤں اور وہ ابھی پھٹ جائے۔"

غازیوں کی سواری

بہن کے اس کلام حسرت نے بھائی کی غم نصیب آنکھوں سے اشک خونیں بہائے اور اس کے بعد دونوں کی خاموشی ایک ایسا افسانۂ بیکسی ثابت ہوئی جس نے اب عون و محمدؑ میں ضبط کی طاقت باقی نہ رہنے دی۔ اور دونوں نے آخری تمنائے اذن جہاد میں اپنے آپ کو ماموں کے قدموں پر گرا دیا۔ امام ہمام اٹھے اور دونوں کو سینے سے لگائے اور آنکھوں سے اشکوں کا مینہ برساتے ہوئے خیمے سے باہر لے کر نکل آئے۔ جہاں شیروں کے انتظار میں دو عقاب (راہوار) پہلے ہی سے تیار کھڑے تھے۔

حضرت نے دونوں کو اپنے ہاتھ سے گھوڑوں پر سوار اور انھوں

نے جھک کر آپ کو سلام کیا۔ ادہر سے حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ جناب زینبؑ کی گود کے پالوں کی وغا دیکھنے کے اشتیاق میں آگے بڑھے۔ اور اُدھر لشکرِ شام میں علیؑ کے دونواسوں کا رُخ اپنی طرف دیکھکر ایک عام ہیجان و اضطراب نظر آنے لگا۔ جس کو محسوس کر کے بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا:۔

"جانِ برادر! اگرچہ ان روباہ صفت شامیوں کا تمام لشکر ہی مل کر ہم پر حملہ کیوں نہ کردے مگر ہمارے لئے دو بھائیوں کا ہمراہ جہاد کرنا باعث ننگ ہوگا۔ اِس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں ٹھیرو اور دیکھو کہ میں تنہا اِن دشمنانِ امام کے لئے کیا کرنے والا ہوں" محمدؑ نے یہ سنکر عرض کیا" بھائی جان جو کچھ آپ نے فرمایا آپ کی جرأت اور تیغ زنی اسی کی مقتضی تھی۔ مگر میرا دعوۂ غلامی اپنے آقا کو تنہا دشمنوں میں بھیجنے پر تیار نہیں۔ علاوہ ازیں اماں نے بار بار اصرار کیا تھا کہ میں آپ کے قدم ایک لمحہ کیلئے بھی نہ چھوڑوں نیز جب مقابلہ میں لاکھوں تلواریں ہمارا خون پینے کے لئے بہم ہیں تو ہمارے دو نیچے ایک ساتھ میان سے باہر نکلنے پر کون سی زبان جائز اعتراض کر سکتی ہے"۔

دونوں بھائیوں کی پیاری پیاری باتوں اور پیش نظر انجام کے خیال نے اگرچہ مظلوم کربلا کا قلب ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ لیکن چونکہ وقت حوصلہ افزائی کا تھا۔ اسلئے فرمایا" دل کے ٹکڑو! تمہارے کسی فعل پر دنیا کی نگاہ اعتراض نہیں کر سکتی۔ تمہارا جو قدم اب اُٹھ رہا ہے وہ قابل تقلید ہے اور زمانے کی زبانیں اب الیٰ یوم القیامۃ تمہاری تعریف میں اور ان کی آنکھیں تمہارے غم میں مصروف رہیں گی"۔

محمد ابنِ عبداللہ ابن جعفر طیّارؑ

مجاہدین بنی فاطمہؑ میں سے یہ چوتھا مجاہد موت کے تعاقب میں اپنے بھائی کے ساتھ راہیِ میدانِ قتال ہوا۔ ان بچوں کا عزم۔ ان کے شیرانہ ولولے۔ ان کے قلیل سن اور ان کے جذباتِ شجاعت آج تمام دنیا کے مجاہدین۔ پیشوایانِ مذہب، اور شیرانِ بیشۂ شجاعت کے سامنے اپنی جرأت وصولت کی مثال پیش کر رہے ہیں۔ اور کسی کی تو ہستی ہی کیا ہے کہ اس مقابلہ کے میدان میں کھڑا ہو۔ ہم ایک اولوالعزم نبی کا واقعہ اُسی کے فرزندانِ مذہب کی موجودہ مذہبی کتاب سے پیش کر کے دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ جب موت کا بھیانک چہرہ اُس کی خوفناک منزلیں اور منزل کا پہلا قدم سامنے آتا ہے۔ تو کس طرح ہستیِ فانی کو بچانے کے لئے زبان آشنائے فریاد ہوتی ہے۔ ہاتھ اور پاؤں موت کے جال کو توڑ کر نکل جانے کے لئے کس طرح ایک ماہیِ بے آب کی طرح کشمکش کرتے ہیں اور کس طرح موت کا پسینہ ہر بُن مُو سے

ٹپکنے لگتا ہے۔ مذہب عیسوی کی موجودہ خدائی کتابیں جو مختلف زبانوں میں آج مذہب کے سامنے تبلیغ واشاعت کی غرض سے لاکھوں کی تعداد میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ اُن کی ایک آیت یہ بتاتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرکے ان کے اور ان کے دین کے دشمن سولی کے نیچے لے کر پہنچے۔ اور انھوں نے یہ یقین کرلیا کہ اب کسی طرح موت سے مفر نہیں تو انھوں نے اس طرح فریاد شروع کی "ایلی ایلی لما سبقتنی" اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔" اور گویا یہ استغاثہ معاذ اللہ ایک بیٹے کا اپنے باپ کی درگاہ میں تھا۔

بخلاف اس کے عونؑ و محمدؑ دو طفلان بنی فاطمہؑ کا واقعہ قارئین کی پیش نگاہ ہے۔ یہ وہ نوباوۂ ریاضِ حسینی ہیں جن کا سبزۂ خط اچھی طرح آغاز نہیں ہوا تیغ و شمشیر کی بجائے نیچوں کا وزن جن کی ساعدِ بلوریں کا ماعد تھا۔ مگر خدائے لم یلد ولم یولد کی درگاہ میں تمام شب اس آرزو میں سجدے کئے کہ صبح سب سے پہلے ہم اپنے ماموں جان پر قربان ہو جائیں۔ اور آج صبح سے تو جوں جوں موت کی بھٹی زیادہ تیزی سے سلگ رہی ہے اسی قدر ان کے اشتیاقِ سبقتِ موت کے شعلے قلب میں زیادہ فروزاں ہیں۔ انھیں یقین کامل ہے کہ آج ان سے پہلے جو میدان میں گیا اس کی لاش ہی واپس آئی۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ جب ادھر سے ایک تلوار بلند ہوتی ہے تو مقابل سے ہزاروں تیغیں لاکھوں تیر اور صدہا قسم کے سامانِ حرب ایک ایک بھوکے پیاسے کے قتل پر نکل آتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ اپنے صادق و صدیق ہونے کے ثبوت

ہیں موت کی اُس تمنّا کا اظہار کر رہے ہیں جس کے بالمقابل زندگانی کی دعائیں ہیچ و پوچ ہیں۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کی دو تصویریں میدان کربلا میں دیکھیئے۔

عونؑ کا رجز

"جعفر طیارؑ کے پوتے اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کے دو نواسے میدان جنگ میں آگئے۔ شمر و عمر سے کہدو کہ اپنا میمنہ اور میسرہ سنبھال لیں۔ جس جس کو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہو وہ آج طلب موت میں لشکر سے نکلے۔ اور ایک ایک کے مقابل ایک ایک کر کے دادِ شجاعت دے۔ لڑے اور لڑائی کے جوہر دیکھے۔ موت کا سمندر ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔ جسکے ایک ساحل پر تم ہو اور ایک پر ہم۔ جب تمہیں اپنے کفر و طغیان پر اسقدر جرأت و جسارت ہے تو خود ہی اندازہ لگا لو کہ حق پر جان دینے والے کس طرح عروس مرگ سے بغلگیر ہونے کے مشتاق ہوں گے۔"

محمدؑ کا رجز

"بظاہر شجاعت کے دعویدار اور بباطن بزدلی کے پتلے آج کہاں پوشیدہ ہیں؟ اُس شیر بیشۂ شجاعت کے پوتے میدان جنگ میں آنکلے جس کے تہور و شجاعت پر جنت کی فضار روز حشر تک فخر کرے گی اور جو اس کے درمیان زبرجد کے دو پروں سے پرواز کر رہا ہے۔ آؤ اور دیکھو کہ ہم کس طرح اپنے دست و بازو اور سینۂ و سرحق و صداقت کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھانے لائے ہیں۔"

پسر سعدؔ کا خروج

ابن سعدؔ کا منحوس بیٹا شیر خدا کی بیٹی کے شیروں کا ہمہمہ سُنکر نقابِ بزدلی ہٹا کر خیمہ سے باہر نکلا مگر لشکر کا یہ حال تباہ دیکھا کہ یتیمانِ مسلمؔ ہی سے گھونگھٹ کھائی ہوئی فوج

کے جوان خیموں کو ٹٹی کی آڑ بنائے ہوئے اُحد کے فراریوں کا کلمہ پڑھ رہے
ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر چٹیل میدان کی بجائے آج کوئی پہاڑی
ان کے بھی قریب ہوتی تو یہ بزرگوں کی تقلید کئے بغیر سانس نہ لیتے۔ عمر نے
للکار کر کہا۔" اگر شرم اور غیرت کوئی چیز ہے۔ تو عرق انفعال میں ڈوب
کر مر جاؤ اسی شجاعت پر تم مجھے ایک ہفتہ سے فتح کی امید دلا اور ظفر کے گیت
سنا رہے تھے۔ وہ عرب کی ماؤں کا دودھ جس کے پینے پر تم کو فخر تھا۔ آج
خون کی بجائے کس چیز کی دھار بن گیا جو تمہارے جسموں میں دوڑ کر رگ حمیت
کو جوش میں نہیں لاتا۔ صرف ایک انگلی کے دو پوروں پر گنے جانے کے قابل
صرف دو بچے میدان کارزار میں گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہیں۔ اور
تمہارے لبوں پر وہ مہر سکوت ہے جو کسی طرح نہیں ٹوٹتی۔ کاش
مجھے تمہاری اس نامردی کا علم ہوتا کہ دو یتیم بچوں سے لڑنے کے بعد ہی
تمہارے سانس پھول جائیں گے تو میں حکومت رے پر لعنت و نفرین
کی ٹھوکر مار دیتا۔ مگر اس طرح ذلیل ہونے کے لئے اس میدان میں
نہ آتا۔ اب جب حسینؑ کے تمام انصار اور اصحاب ایک ایک کر کے موت
کی گود میں جا سوئے۔ اس وقت جب بنی فاطمہؑ کے دو بچوں کو بھی تم
نے رانڈ ماں کی گود سے چھین کر میدان کارزار کی خوابگاہ میں ہمیشہ کی
نیند سلا دیا۔ اب جبکہ چودہ یا پندرہ سے زیادہ حضرات بنی فاطمہؑ حسینؑ
کی مدد کے لئے موجود نہیں تو تم بھاگنے کی فکر میں مصروف ہو، یاد رکھو
اگر تم سب نے بھی پشت دکھا دی تو بھی میں کوفہ واپس جا کر ندامت
اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بجائے اس کے کہ وہاں کے بچے تمہارے
اور میرے منہ پر تھوکیں میں تو بس اسے بہتر جانوں گا کہ تنہا لڑ کر یہاں

غازیوں کی گھوڑوں کی ٹاپوں میں پس جاؤں"

شغالانِ زرد کی گیدڑ بھبکیاں

عمر سعد کی یہ تقریر سُنکر بزدلوں کے گئے اوسان پھر آئے۔ اکھڑے سانس ٹھہرے اور قدم سنبھلے۔ نقیبان سپاہ نے صفوں کو جمانے کی آوازیں دیں۔ ڈھالوں کا ابر اٹھا اور تیغوں کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ فوج شام کے نشان اور ترکش کے دہان کھلنے شروع ہوئے رعب جمانے کیلئے چند شغالان زرد کچھ آگے بڑھے اور اس طرح گیدڑ بھبکیاں دینی شروع کیں۔

"اگر تم جعفرؑ کے پوتے اور علیؑ کے نواسے ہو تو یہاں بھی مصر و روم اور عرب و شام کی ٹڈی دل فوجیں اور بنی امیہ کے بہادر مقابلہ کے لئے موجود ہیں۔ بڑھو بڑھو اور حملہ کر کے حملے کا جواب لو" یہ کہا اور چاندسے سینوں کی طرف کمانیں سیدھی کر دیں۔

اسد اللہ کے شیروں کا جہاد

یہ دیکھکر بہادروں نے بھی باگیں اٹھائیں اور نوے ہزار فوج کے تیروں کے سامنے اپنے سینوں کو سپر کر دیا۔ اعدائے دین کی آنکھیں دو نیمچوں کی کوندتی ہوئی بجلی سے جھپک کر رہ گئیں۔ ہوا میں پر کٹے ہوئے تیر گوشۂ ترکش ڈھونڈ رہے تھے۔ ریتی پر خون کی نہر دم کے دم میں بہتی نظر آئی اور دو غواصانِ بحر شجاعت اس میں شناوری کے کمال دکھا رہے تھے یہ وہ وقت تھا جب سورج کی کرنیں جسم کیلئے الگ نیزے کی انی کا کام دے رہی تھیں اور ہاشمی بہادروں کے دو نیزوں نے الگ سینوں میں دل مجروح کر دیئے تھے۔ بیسیوں سوار پیدل اور پیدل بیدم نظر

آرہے تھے وہ جن کو مصر و روم و عرب و شام کی ٹڈی دل فوجوں پر بڑا ناز
تھا۔ بھیڑ بکریوں کی طرح شیروں کی بو سے بھاگ رہے تھے۔ دو پیاسوں
کی جنگ سے اُدھر فوج کی دہائی کا غل خیمۂ عمر سعد پر اور ادھر سراپردۂ
عصمت و طہارت پر پہنچا۔ اُدھر وہ اپنی فوج کی ہمت بڑھانے نکلا اور
ادھر ماں کے مشتاق کانوں نے بیٹوں کی تکبیر کی پرجوش آواز سُنی
اور فضّہ سے میدان جنگ کی حالت سننے کی خواہش ظاہر کی۔ فضّہ
ڈیوڑھی پر تشریف لائیں تو امام ہمام، حضرت علمدار، شاہزادہ ہمشکل
نبیؐ اور حسنؑ سبز قبا کی نشانی کو عون و محمدؑ کی کم سنی میں اس عدیم المثال
جواں مردی کی تعریف میں رطب اللسان پایا، اپنی شاہزادی کی خدمت
میں واپس آکر دست بستہ عرض کی "خاتونِ قیامت کی جائی۔ پروردگارِ عالم
آپ کے جوانوں کو آپ کے سایے میں پروان چڑھائے اس وقت نوّے
ہزار عرب کی فوج ان کی مٹھی میں ہے۔ شمر و عمر سعد کے خیموں تک
پہنچنے کا ذکر حضرت علمدارؑ کی زبانِ مبارک پر ہے اور آقائے نامدار
آپ کے بڑے بھائی تو دستِ دعا بلند کئے بچوں کی شجاعت کا ذکرِ خیر
اِن الفاظ میں کر رہے ہیں کہ اگر آج یہ پیاسے نہ ہوتے تو بابا شیرِ خدا
کی جنگ اِن کو فیانِ غدّار کو کچھ نہ کچھ تو ضرور یاد آجاتی" صاحب صمصام
کی بیٹی نے یہ الفاظ سُنے مگر مختلف جذبات نے قلب میں ہیجان پیدا
کر دیا۔ اُدھر تو باپ کا سایہ اُٹھ جانے کا دھیان، ادھر مظلوم بھائی
کی زبانی بیٹوں کی تعریف۔ اُدھر بیٹوں کی بہادری اور ساتھ ہی ان کی
پیاس اور میدانِ جنگ کی پیاس۔ پھر ان کے قلیل سن اور نہر کی قربت
غرض اس ہجوم یاس اور ایک فوری فتح کی خوشخبری نے

متضاد جذبوں نے کچھ غم اور کچھ مسرت کے ملے جُلے آنسو رخساروں پر بہا دیئے۔

بہن کو بھائیوں اور بھتیجے کا خیال

بچّوں کی جنگ۔ کلیجے کے ٹکڑوں کا یہ کلیجہ۔

اور جنگ کا یہ نتیجہ دیکھکر جو فضہ کی زبانی گویا ممتا بھری نگاہوں نے خود دیکھ لیا تھا۔ بھائیوں کی شیدا اور بھتیجے پر جان فدا کرنے والی بہن نے کہا۔" زینب اس شفقت والطاف کے نثار!! آخر بھائی عباسؑ بھائی حسینؑ اور اٹھارہ برس والے کو اس دھوپ اور تین دن کی پیاس میں خیموں سے دھوپ میں نکلنے کی کیا ضرورت تھی۔ حقِ غلامی ادا کرنے والے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اس میں تعریف وثنا کا کونسا پہلو تھا جو خشک نے بانوں کو اور خشک کیا جا رہا ہے خصوصاً میرے مظلوم بھائی سے کوئی میرا یہ پیغام کہدے کہ آپ خدارا دھوپ سے ہٹ جائیں۔ تاکہ مجھ کو قرار آئے۔ اِس موقع پر جناب سلیسؔ مرحوم نے جن جذبات محبت کی تصویر کشی ایک شعر میں کی ہے اسکا ذکر نہ کرنا یقیناً ایک حُسن مصوری کی پردہ پوشی ہوگی جناب زینبؑ کی زبانی فرماتے ہیں کہ ؎

وہ خداوند ہیں آقا ہیں امام اُن کے ہیں
میں ہوں لونڈی مرے فرزند غلام اُن کے ہیں

سیکھیں! دنیا کی بہنیں آج سیکھیں کہ انتہائی سے انتہائی مصیبت اور ابتلا میں ٹوٹے ہوئے دل کسطرح بڑھائے جاتے ہیں۔ بتائے اور دنیا بتائے!! کہ جس بہن کے بچے اس طرح نرغۂ اعدا میں گھرے ہوئے ہوں اور وہ اپنے ماں جائے سے یہ پیغام کہے تو اس بھائی کا کلیجہ کیوں

نہ شیر کا کلیجہ ہو جائے۔

خاتونِ جناں ماں کی آواز

کہنے کو تو یہ کہدیا مگر آخر ماں کا دل تھا سنبھالے نہ سنبھلا کیونکہ نتیجہ سے باخبر تھیں اور جانتی تھیں کہ آج میدانِ جنگ سے کوئی مجاہد لڑائی ختم کر کے نہیں آیا۔ زیادہ سے زیادہ آج کی فتح یہ تھی کہ اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے نتیجے میں ایک دو۔ دس بیس۔ پچاس سو دشمنانِ دین کو تیغ کے گھاٹ اُتارا لیکن یہ تعداد ہزاروں پہنچی ہوئی فوج کے سامنے قطرے اور دریا کی نسبت رکھتی تھی جس طرح ایک بحرِ بیکراں چند چلوؤں سے کم نہیں ہوتا۔ اسی طرح آج فرزندِ رسولؐ کے قتل پر فوج در فوج کا مدّو جزر تھا جس سمت فوج میں سے دس بیس کم ہوتے تھے۔ سنّو اُن کی جگہ لے لیتے تھے۔

یہ خیالات ایک طرف اور بچوں کا مُرکر واپس آنے کا وعدہ دوسری طرف ماں کا دل ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ ایک واقعہ تھا جو ضبط کی قیود و بندش کا پابند رہنے ہی نہیں دیسکتا۔ جو بیبیوں کے ایک سوال کے جواب میں راز کو بے نقاب کر کے رہا یعنی جب جناب رباب و اُم کلثوم نے پوچھا کہ "شہزادیٔ عالم! بچوں کی جرأت اور فتحمندی کی خبریں سُنکر اشک آنکھوں میں کیوں بھر آئے۔ اللہ وہ دن دکھائے کہ تم ان کے چاند سے چہروں پر اپنے ہاتھ سے آج فتح کا اور مدینے پہنچکر شادی کا سہرا باندھو" تو غم نصیب بی بی نے بجواب فرمایا۔ "بہنو اور بیبیو!! امامِ دوجہاں کے بچ جانے کی شادی ہی مجھے دو عالم کی مسرت کے برابر ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب خدا چاہے تو ابابیل جیسے کمزور پرندے کے پنجے موت کی کمان بن کر مست ہاتھیوں کے مجسمے کٹے ہوئے بُھس کی مانند

کر دیتا ہے لیکن امید جب ہی تک تھی جب ہم باپ کے مولد کے قریب کعبۃ اللہ کی سرزمین پر فروکش تھے۔ آج بچوں کے بازو کہاں تک کام دینگے۔ فوجوں کا دَل بادل دو بچوں سے کیونکر کٹے گا۔ اور یہ سب کچھ ممکن سہی اس کو کیا کروں کہ برابر خلد آشیاں ماں کی آواز کانوں میں چلی آ رہی ہے کہ یا شیر خدا جلد آیئے آپ کی پیاری بیٹی کی کوکھ اُجڑتی ہے "ہائے معصوم نواسو" کی فریاد اماں کی زبان سے برابر میرے پردۂ گوش سے ٹکرا رہی ہے۔ آخر یہ ماتم کی خبر نہیں تو اور کیا ہے؟ بتاؤ! اور خدا را بتاؤ کہ یہ اماں کی آواز نہیں تو اور کس کی ہے؟ ہاں ہاں کیا مخبر صادق کی بیٹی اپنی زبان سے جس خبر کو بیان فرما رہی ہیں اس میں سوائے راستی کے اور بھی کچھ شائبہ ہے؟؟؟

شیرِ خداؑ کے نواسے فوج کے حصار میں

اِدھر فاطمہؑ کی دُلاری یہ کہہ کر غش ہو گئیں۔ اُدھر شیر خدا کے نواسوں پر غول بیابانی گروہ در گروہ ٹوٹ پڑے۔ آہ ماں کی گود سے مہد، اور مہد سے اِس وقت تک سائے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہنے والے بھائیوں کا ساتھ چھوٹا۔ عونؑ ایک حلقہ میں اور محمدؑ دوسرے فولادی حصار میں گھر گئے۔ تین دن کی پیاس اور آفتاب کی تمازت سے تپی ہوئی اسلحہ کی کڑیوں نے جگر کباب بچوں کو نرغۂ اعدا میں اب الگ الگ بیتاب کر دیا ہے لیکن اس پر بھی اسد اللہ کی بیٹی کا دودھ پینے والے بچے پر اضطراب نہیں۔ ہاں ایک کو دوسرے کی فکر اب اپنی حفاظت میں کوتاہی کر رہی ہے۔ زین پہ بلند ہو کر ایک بھائی دوسرے بھائی کی ہمت بندھا رہا ہے لیکن اس اثنا میں شیر کے

بچوں کی نگاہیں جو ایک ثانیہ کو نرغۂ اعداسے غیر حاضر ہوتی ہیں۔ تو دُور
سے وار کرنے والے بُزدلے حملہ کرنے کے لئے قریب آجاتے ہیں۔
اسی سلسلہ میں محمدؐ کا گوشۂ چشم جو ماں جائے کی طرف پھرا تو عامر ابن نہشل
التمیمی گھوڑا دوڑا کر پس پشت آ گیا۔ لیکن محمدؐ کا اس خاندان سے تعلق تھا
جس نے میدان جنگ میں پیچھا پھیر کر دیکھنا ہی نہیں سیکھا تھا۔ یہ حملے کے
لئے بڑھی ہوئی فوج پر سامنے بڑھے اور مردودِ ازلی بُزدلے عامر نے
پشت سے ایک وار اس طرح ہنسلی پر کیا۔ کہ پیاسا اور ماندہ شہسوار گھوڑے
پر نہ سنبھل سکا۔ ساتھ ہی فتح کا شور جو حضرت عونؑ نے سُنا اور بھائی کو
گھوڑے پر نہ دیکھا تو بپھرا ہوا شیر ماں جائے کی مدد کے لئے اپنے دشمنوں
کا خیال نہ کر کے جھپٹا۔ لیکن اُدھر سے پلٹی ہوئی فارغ اور ادھر سے
حملہ آور فوج نے دھوپ اور پیاس سے کمہلائے ہوئے پھول کو
نیزوں سے خاک پر گرا دیا آہ! بھائی نے بھائی کو "اخاہ ادرکنی"
کی آواز دی۔ لیکن اب ایک طرف ملک الموت دست بستہ پیام وصال
الٰہیہ لئے ہوئے کھڑے تھے۔ اُدھر علیؑ مرتضیٰ اور جناب رسالت مآبؐ
اپنے بچوں کے سرہانے کوثر کے لبریز ساغر لئے آپہنچے۔ آہ! ایک گود
میں ساتھ پاؤں پھیلانے والے بچے الگ الگ ایڑیاں رگڑ رہے
ہیں۔ اور رخسار پر رخسار رکھ کر دنیائے دنی کو چھوڑنے کی حسرت دل
میں ہے۔

طبل ظفر

عالم غش میں مجروح شیروں کی غم نصیب ماں ابھی
خاتون جناں کو اضطراب میں بھاگتے ہوئے دیکھ
رہی تھیں کہ فتح کے باجوں کی صدائے بازگشت نے چونکا کر عالم امتیاز

میں پہنچا دیا۔ اُدھر علمدار لشکر نے حضرت امامؑ کی خدمت میں عرض کی "آقا! آقازادی کے بچوں نے راہوار خالی کر دیئے۔ فوج اُمنڈ آئی۔ لاشوں کی پامالی قریب ہے۔ حضور دعا فرمائیں۔ غلام امداد کو جاتا ہے" یہ فرما کر ایک طرف سے حضرت عباسؑ دلاور اور دوسری طرف سے ہمشبیہ پیغمبر گھوڑے اڑاتے ہوئے پہنچے۔ دونوں شیروں کے پیچھے مظلوم کربلا نے اپنا گھوڑا ڈالا۔ فوج عدو نے حضرت عباسؑ کا ہمہمہ سنکر بے سروپا بھاگنا شروع کیا اور خیمۂ عمر سعد پر بچوں کی شہادت کی خبر جا سنائی۔ آہ گودی کے پلے شیروں کو جلتی ریت پر زخموں سے تڑپتا دیکھکر عباسؑ علمدار و حضرت علی اکبرؑ گھوڑوں سے کود دے۔ مظلوم کربلا بھی جا پہنچے۔ دونوں لاشے اپنے زانوؤں پر لٹائے اور راکب دوش رسولؐ خاک گرم کربلا پر بیٹھ گیا۔ دونوں بھانجے ماموں کے زانوؤں پر سر رکھتے ہوئے مسکرائے اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت امام ہمامؑ نے فرمایا "میرے شیرو۔ میرے دلیرو! ! آخر ماں کی گودی سے چھٹ کر کربلا کی جلتی ریتی پر آرام کیا۔ ہاں ہاں۔ جو تم نے کہا تھا وہ کر کے دکھا دیا۔ میں بھی عنقریب تمہارے پاس آتا ہوں۔ مگر ماں کی بقیہ زندگی کی ڈھارس توڑ چلے۔ تم علیؑ مرتضیٰ کی گود میں جا پہنچے۔ اور وہ مظلومہ اس میدان اور دشمنوں کے نرغے میں قید ہونے کو رہ گئی" یہ فرما کر حضرت مظلوم کربلا واقعات پیش آئندہ پر غور کر کے اس درد سے روئے کہ بھائی اور بیٹے سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور دونوں نے روتے ہوئے بچوں کے لاشے سنبھالے مغموم حسینؑ نے بچوں کے منہ پر منہ ملا۔ محمدؐ کا لاشہ ہمشکل نبیؐ

کیا ورعونؓ کا لاشہ ابنِ علیؑ کو کسی مناسبت سے دیا۔ اور گویا دونو شاہ تین
بہنیوں کی میت میں سہرے دیکھنے کی متمنی ماں کو سلام کرنے جارہے ہیں
اب میرا قلم عاجز ہے اور پھر انصاف مجبور کررہا ہے کہ اپنے عجز کے ساتھ
سلفیں مغفور اعلی اللہ مقامہ کے قلم کی طاقت پیش کروں، فرماتے ہیں ؎

مبارزی پہ ہے جو سب اُٹھنے لگے پیٹنے سر — ابھی یہ کہہ نہ کرو صاحبو ٹھہرو دم بھر
شادیاں ہو چکیں پروان چڑھے میرے پسر — کوئی دیکھو تو محافے دلہنوں کے ہیں کدھر

باجے والوں کی صدا زیرِ قنات آئی ہے
کیسے لاشے مرے، بچوں کی برات آئی ہے

ہاں ہاں بچوں کو تو اس مرنے کی جو خوشی تھی اُس سے بڑھ کر شادی
ان کے ذہن میں کوئی نہ تھی اور وہ تو اس وقت بھی صفِ ماتم پر عروسِ
مرگ سے بغلگیر ہیں مگر ہاں ہاں فاطمہؑ کی دُلاری تم نے بھی اسی دن
کی خوشی میں ان جگر گوشوں کو بھائی پر نثار کرنے کے لئے پرورش کیا
تھا۔ وہ تمنا تھی اور یہ فطرت ہے جس نے اس وقت ہوش وحواس
پر قبضہ کر لیا ہے۔

ماں کے دلخراش بین

مردانِ اہلبیت اور خواتین عصمت و طہارت کے حلقہ میں صفِ ماتم پر چاند سے رخسار
خون میں بھرے دو شیر خوابِ اجل میں محو ہیں۔ ماں سرہانے کھڑی بیہوشی
کی ایک مجسم تصویر ہے آنکھوں سے اشک کی نہر پیاسوں کے رخ پر جارہی
ہے مگر وہ لب بند کئے ماموں کی پیاس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ جناب
زینبؑ فرماتی ہیں:۔

"گود کے پالو! تم نے میری آغوش میں جانیں بھی نہ دیں کہ نزع کا عالم

ماں کی آنکھوں سے نہ دیکھا جائے گا۔ آہ یہ تشنگی، یہ جرأت۔ اس پر بھی ماں کے آنسو حلق میں نہیں جانے دیتے۔ گیسوؤں والو!! ایک کروٹ تو لو کہ ماں کا کلیجہ سنبھلے۔ علیؑ کے شیرو!!! علیؑ کا نام کر گئے۔ اعدار کی آوازِ الاماں ماں کے کانوں نے سنی تھی۔ اب ان ہی کی تلواروں کی بدھیاں زخم کی صورت میں تمہارے جسم پر دیکھ رہی ہوں" یہ کہکر جناب زینبؑ غش ہو گئیں اور حضرتؑ مظلومِ کربلا، بھائی اور بیٹے کی معیت اور خواتین عصمت کے نالہ و شیون میں دونوں گلعذاروں کے لاشے لئے ہوئے برآمد ہوئے اور گنج شہیداں میں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ کہکر آغوش کے پالوں کو زمین پر لٹا دیا۔ اور صبر و شکر کرتے ہوئے واپس سراپردہ کی طرف لوٹے۔

مسلم و عبداللہ کے، دو و چراغ گل ہونے کے بعد اب اولادِ عقیل کے شیروں کی باری آئی جس کی اولیت بفحوائے اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ" جنابِ جعفرؓ کے ہاتھ رہی۔

چمنستانِ محمدؐ
کا
پانچواں پھول
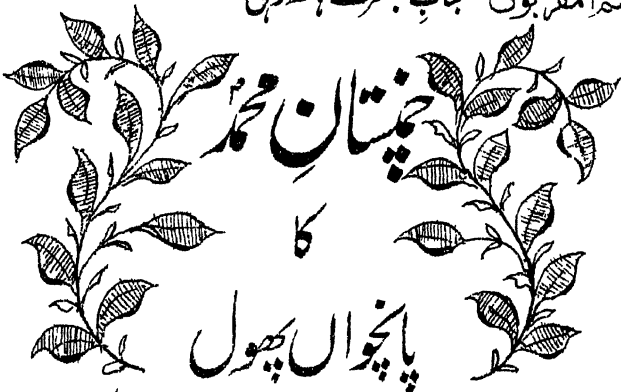
جعفر ابن عقیلؑ

مظلوم کربلا اُدھر اپنے بھانجوں کی مشایعت میں مصروف تھے اور ادھر اولادِ عقیلؑ کے چار شیروں اور حقیقی بھائیوں جعفر و عبدالرحمٰن و عبداللہ و موسیٰ نے باہم

شہ کی نصرت میں اب سب سے پہلے مرنے کی قسم کھائی۔ اور چاروں میں سے حراول کی خدمت جناب جعفر ابن عقیلؑ کے ہاتھ آئی۔ اب یہ دیکھکر کہ مظلوم کربلا بھانجوں کے غم میں گردن نہوڑائے طنابِ خیمہ پکڑے خاک پر بیٹھے ہیں۔ جعفر اپنے بھائیوں سے رخصت ہوکر اور اپنے بعد یکے بعد دیگرے شہادتِ بلا فصل کی وصیت کرکے حضرت امامِ ہمام کی طرف پرسہ خوانی کے لئے آنسو بہاتے اور قدموں کی حرکت سے اشتیاقِ اظہارِ شجاعت وحصولِ شہادت دکھاتے چلے نزد حضورؑ پہنچ کر اپنے آپ کو حضورؑ کے قدموں پر گرا دیا۔ اور اس طرح عرض شروع کی۔

اِذنِ وَغا کی تمہید

"آپ کے دو غلام زادے ہمارے بھتیجے اور مسلم حراول کے بیٹے آپ کے قدموں پر نثار ہوکر اپنے باپ دادا کی عزت میں جس طرح چار چاند لگا گئے اُس پر جس طرح ہمارے خاندان کو روز حشر فخر ہوگا وہ سب آپ کی بندہ نوازیوں کا صدقہ ہے۔ مگر ہاں آقازادی کے دونوں لختِ جگر عونؑ ومحمدؑ کی حسرتناک شہادتوں نے جس طرح میرا اور میرے باقی تینوں بھائیوں کا دل سوراخدار کر دیا ہے۔ اُس کی بنا پر ہم خدا سے عہد کر چکے ہیں کہ اب آپ کے قدموں پر جب تک ہم چاروں نثار نہ ہولیں گے۔ بنی فاطمہؑ میں سے اب کسی کو میدان جنگ کا رخ نہ کرنے دیں گے۔ کیونکہ حضرت زینبؑ کے اُن خونزادوں کا ہماری آنکھوں کے سامنے اس طرح قتل ہوجانا ہماری بے غیرت زندگی کے لئے سوہانِ روح ہے آپ ہی بتائیے کہ جب آج کے واقعات آئندہ دنیا کے

سامنے پیش ہوں گے تو ہماری نسبت کیا خیال کیا جائے گا کہ ہم بیٹھے دیکھتے رہے اور علیؑ کے نواسے اپنی کم سنی میں ہم سے پہلے دادِ شجاعت دیکر راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اور نسلِ عقیلؑ کی بہادری کے دامن پر یہ وہ دھبہ ہے جسے ہم چاروں بھائیوں کا خون ملکر بھی نہیں دھو سکتا۔ آپ کو اپنے نانا حضرت رسولؐ خدا کا واسطہ اپنے قدموں پر نثار ہونے کی اجازت میں میرے لئے اور میرے بعد پے در پے میرے تینوں بھائیوں کے لئے اب تاخیر نہ فرمائیے۔ موت تو سب کے لئے ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ نسلِ عقیلؑ کے ہم چار آپ کے غلام آج بنی اُمیہ کی دغا پیشہ لومڑیوں کو ذرا اس ظلم و تعدی کا مزہ تو چکھا دیں جو انھوں نے ہمارے آقا اور آقا زادوں پر روا رکھا ہے"

حضرت نے اپنی غربت اور ان کی جلالت کے آنسو پونچھ کر فرمایا۔ "ابھی مسافرِ مسلم کا داغِ غم دل سے مٹنے نہیں پایا کہ تم نہ صرف اپنے بلکہ بقیۃ السیف اپنے تین بھائیوں کے ماتم کی خبر دے رہے ہو۔ آخر تم سب میرے لئے نسلِ عقیلؑ کو کیوں برباد کئے دیتے ہو۔ یاد رکھو تم اور اولادِ علیؑ کے سب بہادر بھی اگر میرے بچانے کے لئے ختم ہو جاؤ گے تو بھی حسینؑ کی گردن پر آج سفید رو قاتل کا خنجر ضرور چل کر رہے گا یہ میرے نانا کی پیشینگوئی ہے۔ جبرئیلؑ سا مقدس فرشتہ یہ خبر اُن کو سنا گیا ہے۔ اور میرا ایمان ہے کہ وہ خدا کی رضا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آج بدا واقع ہوسکے یا میں تمہارے جان دینے سے بچ جاؤں۔ ہاں اگر تمہارا یہی مقصد ہے اور تم سب نے یہی ٹھان لی ہے۔ کہ میدانِ جنگ

میں ہیں تنہائی کے ساتھ ساتھ عزیزوں کے فراق سے بھی اسقدر مجروح ہو کر چور چور ہو جاؤں کہ دل داغدار نیزے کی انیوں کا منت کش ہی نہ ہو، تو یہ اور بات ہے۔ اور میں تو پہلے ہی تمہارے محضر شہادت پر چھاپے لگا چکا ہوں۔ اب عذر ہی کیا ہو گا یہ سنتے ہی جناب جعفرؑ نے جھک کر تعظیم کی بڑھ کر شہ کے قدم چومے ایک جست کر کے فرس باوقا کی باگ اٹھائی۔ اور چشم زدن میں مبارز طلب فوج کو حسب ذیل رجز سے جواب دیا:۔

جعفر کا رجز الہاشمی الطالبی مرد آگیا جس کا تعلق ہاشمؑ وابو طالبؑ کے اس خاندان سے ہے جس کے فرد فرد نے کفار کے ریلے اپنے تنہا بازؤں کی قوت پر روکے ہیں۔ ہم اسی سیادت کی لڑیوں کے درخشندہ گوہر ہیں جس کے افراد نے کعبتہ اللہ کی دیواروں کے گرد اکیلے پہرے دیئے ہیں اور خدا کے گھر کی حفاظت اس طرح کی ہے کہ لکھوکھا کفار میں سے ایک کو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اسی چار دیواری میں پیدا ہونے والے عصمت نامدار کا نور نظر۔ فاطمہؑ کی گود کا پالا۔ رسول خدا کا راج دلارا، آج ہماری حفاظت میں ہے اور خدا کی طرف سے یہ فخر ہمارے نصیب میں آیا ہے۔ اس کے انصار ایک ایک کر کے راہی دار بقا ہوئے۔ اور باقی ہم میں سے بھی کوئی نہیں رہے گا۔ موت تمہارا بھی گریبان پکڑے ہوئے ہے لیکن قیامت تک کی نسلوں میں ہم یہ افسانہ چھوڑ کر جائیں گے کہ جب تک ہم میں سے ایک ناصر بھی باقی رہے۔ اور رہے گا۔ اس وقت تک امانت رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ کے ناخن پا کو بھی تم نہیں چھو سکتے۔ اسوقت کہ بارہ چودہ جوانوں سے زیادہ مظلوم کی رکاب نصرت

شیم میں کوئی نہیں اور تم دشمنانِ خدا کی فوج میں کئی ہزار مصر و روم اور عرب کے جوان شامل ہیں۔ ہم جب جانیں کہ تم سب مل کر اگر تم نے اپنی اصلی ماؤں کی چھاتیوں سے دودھ پیا ہے اور اپنے باپ کے نطفوں سے تمہارے خون تمہارے جسموں میں دوڑ رہے ہیں ہماری موجودگی میں حضرت امام کے ایک بُنِ مُو پر زخم لگا دو۔ ورنہ یہ تو عرب کی عورتوں سے بھی ممکن ہے کہ وہ نرغہ کر کے کسی یکہ و تنہا۔ بھوکے پیاسے۔ بے یار و مددگار۔ عزیز مردہ اور مجروح کو ذبح کر دیں۔"

یہ رجز ایسا نہ تھا کہ جواب میں کوئی زبان متحرک ہوتی۔ شیروں کے جگر پانی ہو گئے۔ رَن بولنے لگا۔ اور بزدلے ایک دوسرے کے پیچھے دبکنے لگے اس پر شمر لعین پیدل فوج سے نکلا اور دُور ہی سے بولا۔" جعفر یہ کیا کہہ رہے ہو کیا اس طریق تکلم سے حسینؑ کو بچا لوگے؟ انھیں آج ذبح ہونا ہے اور ہم اس کام کو انجام دے کر میدان سے قدم ہٹائیں گے"

یہ سنا تھا کہ جعفر کے جسم کا تمام خون چہرے میں کھنچ آیا۔ اور بپھرے ہوئے شیر کے لئے یہ زخمِ زباں ایسا کاری ثابت ہوا کہ وہ شمشیر آبدار تول کر شمر کی طرف بڑھا لیکن کئی جوانوں نے اُسے آڑ میں لے کر جعفر کا سامنا روکا۔ اور وہ فراری اس موقع کو غنیمت پا کر ایک قنات خیمہ چاک کر کے میدان کی پشت پر نکل گیا۔

جعفر کی جانبازی

اب موت کا بازار گرم ہوا۔ خون کی ندیاں دم کے دم میں زمین سے اُبل آئیں۔ راوی کہتا ہے کہ آج کے معرکہ میں یہ ایک عجیب بات تھی کہ فوج حسینی کا جو جوان آتا تھا وہ اپنا سکہ بٹھا جاتا تھا۔ اور دل یہ کہتا تھا کہ اِس کے بعد

اَور کونسا جوہر شجاعت باقی ہے جس کا اظہار ہوگا۔ مگر ہر مرتبہ یہ خیال غلط ثابت ہوتا تھا۔ اور ہر غازی اپنے سے پہلے غازی کا فسانۂ شجاعت بُھلا دیتا تھا۔ یہی کیفیت اور بالکل یہی منظر اسوقت آنکھوں کے سامنے تھا۔ جعفرؑ نے شمر کے حمایتوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر پہلے میسرہ پر حملہ کیا اور جو رُودار چہرے چڑھا اُسی کا منہ تلوار کی ایک ضرب سے بگاڑ دیا۔ چہرے یہانتک کٹے کہ میسرہ میں ایک نمایاں کمی محسوس ہونے لگی۔ لیکن عمر سعد کے اشارے پر ایک دستہ اور میسرہ کی کمک میں بڑھا۔ اور آخر میمنہ نے دوسری طرف سے گھیرا ڈالنا شروع کیا۔ جب عقیل کے شیر کو معلوم ہوا کہ میرا محاصرہ ہر چہار طرف سے ہوگیا تو آپ نے چاروں طرف وار شروع کئے اور چاہتے تھے کہ ایک طرف سے آہنی دیوار توڑ کر نکل جائیں۔ لیکن موت کا پیغام قریب ہی آچکا تھا۔ کہ کمیں گاہ میں سے بشر ایک کمینے انسان نے پہلو پر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ آپ گھوڑے پر لڑکھڑائے مگر عنان فرس ہاتھ سے نہ چھوڑی تھی کہ عروہ ابن عبداللہ نے دستِ عناں گرفت پر ایک تلوار لگائی اور یہ آخری وار ایسا کاری ثابت ہوا کہ عقیل کا شیر زمین پر گر پڑا۔ چاروں طرف سے اشقیا ٹوٹ پڑے اور اُن کی روح جعفر طیارؑ کی تاسی میں قصورِ فردوس بریں پر پرواز کرنے لگی۔ شیر کی آخری گونج وہ تکبیر تھی جو اپنے قتل کی اطلاع میں گھوڑے سے گرتے ہوئے کہی تھی۔

لاش پر مظلوم کی آمد

مظلوم کربلا بھائی کی آواز سُنکر سراسیمہ دوڑے۔ جعفر کے تینوں بھائیوں کو

ہمرکاب دیکھکر فوج عداوت موج پیچھے ہٹی۔ حضرت نے گھوڑے سے اُتر کر بھائی کا گرم گرم خون اپنے عمامے کے سِرے سے پونچھا اور ایک پٹی پھاڑ کر پہنچے کے زخم پر باندھی۔ روتے جاتے تھے اور فرماتے تھے" ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑنے والو! میں تو سب کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ میرا انجام کون دیکھے گا؟ تمہاری لاش پر تو میں آجاتا ہوں آہ! میری لاش کون سم اسپاں سے بچائے گا؟ یہ فرما کر عبداللہ اور موسیٰ کو اشارہ کیا کہ بھائی کی لاش گنج شہیداں میں لے چلیں۔ تیسرے بھائی نے بھی مدد کی۔ امام الگ رو رہے تھے۔ بھائیوں کا کلیجہ الگ فگار تھا۔ جعفر اقربا بھی مشایعت کو بڑھ آئے اور جعفر کو گنج شہیداں میں لٹا دیا۔

عقیل کے شیر! اللہ کی رحمت ہو، امام محمد باقرؑ تمہاری شجاعت کا ذکر اپنی مجلس میں کر گئے ہیں۔

عبدالرحمٰن ابنِ عقیلؑ	اب ایک ایک عزیز کا چھٹنا حضرت کے لئے اسقدر روح فرسا

تھا کہ ہر مرتبہ حضرت زانوئے غم پر سر رکھ کر خاکِ کربلا پر بیٹھ جاتے تھے اور اتنی مہلت نہ تھی کہ کسی ایک غم پر زخم دل ذرا بھر پایا ہو جائے کہ ایک نہ ایک اور سانحہ پیش نظر ہوتا تھا بالکل ایسی ہی حالت میں حضور والا کبھی آسمان کی طرف نگاہ کر کے اپنے وقتِ شہادت کی گھڑیاں گنتے تھے۔ کبھی چند اقربا کی چھوٹی سی جماعت کو دیکھتے تھے کہ یکایک عبدالرحمن ابن عقیل کو اسپِ باوفا سے کود کر اپنی طرف آتے ہوئے ملاحظہ فرما کر آپ نے سر جھکا لیا۔ عبدالرحمن بڑھے اور ہاتھ جوڑ کر حضورؐ میں با ادب ایستادہ ہو گئے۔ امام علیہ السلام نے نظر اٹھائی اور یہ قدموں پر گر کر اس طرح گویا ہوئے۔

حُسنِ طلب اذن جنگ

"مولا اور آقا! جس طرح اس زمین پر اُترنے کے بعد سے اسوقت تک حضور کو اذیتیں پہنچ رہی ہیں۔ ہم غلامی کے دعویدار دیکھتے رہے اور کوئی خدمت ممکن نہ ہو سکی۔ اس کا جواب عالم کی خوانزادی جدّۂ ماجدہ کو کیا دیا جا سکتا ہے سوائے اسکے کہ دریائے ندامت میں غرق ہو جائیں۔ اور آج صبح سے تو جو حضور کی کیفیت ہے اس کی حقیقت تو سمیع و بصیر ہی پر روشن ہے۔ لیکن اتنا ہماری آنکھیں بھی دیکھ رہی ہیں کہ ایک دم آپ کو چین نہیں ملا۔ بھائی خود جو وصیت ہمیں کر گئے ہیں اس کی اطلاع حضور کو علم امامت سے ہو ہی گئی ہو گی۔ لیکن ممکن ہے کہ التماسًا حضور سے بھی عرض کر گئے ہونگے۔ اب مقتول بھائی کی وصیت کی تکمیل جتنا اہم فرض مجھ پر اور بقیہ دونو بھائیوں پر ہے آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ مولا! حسرت یہ تھی کہ آخری مرتبہ نعلین مبارک پر مُنہ اور مل لوں۔ فالحمد للّٰہ کہ آپ کے

فیض سے جام حسرت لبریز ہو گیا۔"
مظلوم کربلا نے یہاں تک سنکر اپنا ہاتھ عبدالرحمان کی پشت پر رکھا اور فرمایا۔"سوکھی زبان کو اور نہ سکھاؤ۔ میں سمجھ گیا اور میں تو عرصے سے سمجھے ہوئے ہوں۔ جعفر اپنے اِذن میں سب کی اجازت لے گئے۔ میری مجال کیا ہے کہ میں اب تم کو روک سکوں۔ اور تم ہی کیا؟ قاسم اور اکبر کا وقت بھی قریب ہے۔ اور ابھی تو میری کمر اچھی طرح ٹوٹنی اور راہ چارہ بند ہونی ہے۔"
یہ فرما کر کسی انجام پر غور کر کے امام علیہ السلام عبدالرحمٰن کی گردن میں باہیں ڈال کر اس شدت سے روئے کہ ان سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ آخر اسی حالت میں امام اٹھے اور بھائی کا ہاتھ میں ہاتھ لئے ان کے فرس تک گئے جو ذرا دور ادب سے گردن ڈالے کھڑا تھا۔ یہاں پہنچ کر فرمایا۔" اچھا عقیل کے شیر!! رن چڑھو۔ حسینؑ یہیں سے تمہاری وغا دیکھے گا۔"
یہ سنتے ہی شیر کا کلیجہ پانچ گنا ہو گیا اور خامس آل عبا کو سلام کرتے ہی غازی اس طرح ہوا ہو گیا کہ سوار ہونا اور نظر سے غائب ہونا ایک ہی آنِ واحد کا کرشمہ تھا۔

ہمہمۂ شیرانہ

نزدِ فوجِ غدار پہنچتے ہی اس طرح شیرانہ ہمہمہ کیا:۔
"عقیلؑ کا بیٹا ہوں۔ خود ہاشمی ہوں اور ہاشمی دو اور بھائی رکھتا ہوں۔ آخری جاں باز میرا بھائی تھا اور اپنی بہادری کا سکہ تمہاری تلواروں کی باڑ، نیزے کی انیوں اور ترکشوں کے غلاف تک پر بٹھا گیا۔ اس کی تیغ کا پانی پیے ہوئے اب آبِ حمیم ہی پیتے رہینگے جس نواسۂ رسولؐ کی مدد میں اس نے تلوار بلند کی تھی۔ اسی کی نصرت

ہیں میری تیغ بے نیام عرصہ سے مشتاق قتال تھی۔ مظلوم کو تو تم نے نرغے میں گھیر ہی لیا ہے مگر آج کا نتیجہ اتنا تو دیکھ لو کہ کوفے کے گھروں پر یتیمی اور بیوگی کے دل بادل چھا جائیں"

یہ کہکر عقیل کا چشم و چراغ ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے بے تکان قلب لشکر میں شمشیر آبدار کی بجلی گراتا ہوا گھس گیا۔ ایک آندھی تھی کہ نکل گئی اور روکے نہ رکی۔ اسی ایک حملے میں ستر ۷۰ بے دین زمین پر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ مگر آپ کا حملہ بتا رہا تھا کہ اپنے بچاؤ کی کوئی خاص فکر نہ تھی۔ بلکہ نصرت شمع امامت میں اُس پروانے کی طرح جو محبت صادق میں نتیجہ سے بے خبر ہو کر جلتی ہوئی لَو کو پیار کر لیتا ہے یہ جانباز موت کی بھٹی میں گویا کود پڑا تھا۔ عثمان ابن خالد ایک لعین نے ایک نیزہ پہلو پر مارا۔ جو دل میں در آیا۔ اور بہادر نے صرف ۷ ہی جہنمیوں کو دارالبوار پہنچا کر اپنی جنگ ختم کی۔ امام ہمام نے اُسی مقام پر کھڑے کھڑے اَدْرِکْنِیْ یَا مَوْلَاہُ کی آواز سُنی۔ اور عبداللہ اور موسیٰ کو ہمراہ لئے خدمات آخری انجام دینے کے لئے فوراً لاش پر پہنچے امام گھوڑے سے کودے زخمی شیر میں رمق جان تھی۔ خون پرنالے کی طرح بہہ رہا تھا زخم پر ہاتھ رکھکر امام کے قدموں کی طرف کروٹ لی۔ حضرت نے فوراً زمین پر بیٹھ کر سر زانو پر رکھا تو دیکھا کچھ کہنا چاہتے تھے مگر آخری مسکراہٹ لبوں پر تھی کہ جان رب العزت کو سپرد کی۔

امام نے اپنے علم خاص سے سمجھکر فرمایا "ہاں علیؑ کے ہاتھ سے جام پیو۔ خوشگوار ہوا خوشگوار ہو"!! یہ کہکر لاش روتے ہوئے اٹھائی۔ عبداللہ و موسیٰ بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے امر بصبر فرما کر لاش کو گھوڑے پر سہارا

دلوایا اور گنجِ شہیداں کا رُخ کیا۔ عون ابن علیؑ اور عثمان ابن علی بھی لشکر سے بڑھ آئے اور سب نے ملکر آخر منزل کر دیا۔
شہ نے اس ماتم کی بھی خبر خیمہ میں کر دی اُدھر کہرام برپا ہوا ادھر آپ روتے ہوئے زمینِ گرم پر بیٹھ گئے۔

چمنستانِ محمدؐ کا ساتواں پھول

عبداللہ ابن عقیل

اس جانباز کے حصولِ جنگ اور رجز سے تقریباً کل مقاتل خالی ہیں بہرحال اتنا ثابت ہوا کہ امام ہمام سے رخصت ہو کر میدانِ قتال میں جناب عبداللہ فریضۂ نصرتِ مظلوم ادا کرنے پہنچے اور ایک سخت لڑائی کے بعد عثمان ابن اسیم الجہنی اور لبشر بن خوط القایضی کے حملوں سے شہید ہوئے۔ صاحب ناسخ نے صرف اسی قدر پر اکتفا کی ہے۔ غرض حراول فوج حسینی حضرت مسلمؑ نے جس محبتِ حسینؑ ابن علیؑ کا سنگ بنیاد اپنے خون سے سرزمین کوفہ پر ۹ ذی الحجہ کو رکھا تھا اُس محبت کی عمارت کو پورا کرنے کے لئے ان کے اس تیسرے بھائی نے بھی حصہ رسد کما حقہ حصہ لیا اور عقیل کے گھرانے کی شجاعت کا عَلم بلند کرکے زمین پر گرے نہایت کرب کے عالم میں دومرتبہ اَدْرِکْنِی کی آواز بلند کی۔ جناب امام ہمام

اور کئی حضرت کے باقی رفیق دوڑے۔ مظلوم کربلا نے دیکھا کہ عبداللہ میں رمق جان باقی ہے۔ کبھی آنکھ کھولتے اور کبھی بند کر لیتے ہیں۔ آپ سرہانے بیٹھ گئے خون آلود اور شگافتہ سر کو اپنے زانو پر رکھا اور فرمایا " عبداللہ!! اچھی طرح دیکھو!! حسینؑ کس طرح تمہاری خدمت میں پہنچ گیا ہے۔ کوئی وصیت کرو۔ اگرچہ میں اب کسی خدمت کی انجام دہی کے قابل نہیں رہا ہوں" عبداللہ نے بمشکل چند الفاظ ادا کئے اور اشارے سے بھی یہ تشریح کی کہ میرے بعد میرے بھائی موسیٰ کو اجازت دیجئے گا۔ یہ کہتے کہتے موت کا پسینہ چہرہ پر آیا۔ اور ایک آخری ہچکی کے ساتھ دم واپسیں لے کر ریاض خلد کو تشریف لے گئے۔ امام حسین علیہ السلام دیر تک گلے سے لگا کر روتے رہے اور فرمایا " واللہ یہ میرے وہ ناصر ہیں جن کی مثال سے نانا رسالت مآبؐ اور بابا علی مرتضیٰؑ کے اصحاب کی فہرستیں خالی ہیں۔ یہ فرما کر ہمراہیوں کی معیت میں جنگ گاہ سے گنجِ شہیداں کا رُخ کیا اور عقیلؑ کے اس شبیر کو بھی لٹا کر داغ غم سینے پر لئے اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے جہاں حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ و قاسمؑ اپنی اپنی شہادت کے متعلق مشورہ فرما رہے تھے۔ امام ہمام کے پہنچتے ہی سب دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت علمدار نے عرض کیا " مولا!! اب علمداریٔ لشکر کا عہدہ کسی کو تفویض فرما کر حضور اپنے نمک خوار غلام کو جنگ کا اذن عطا کریں کیونکہ اب علم کا بازار اور عزیزوں کا داغِ غم ساتھ نہیں اُٹھایا جاتا۔ میرے لئے الزام رہ جائیگا کہ میں علمداری کے بہانے سے بیٹھا رہا اور اولادِ عقیل ختم ہوتی رہی"

حضرت نے فرمایا " میرے بازو کی طاقت۔ میری کمر کا زور۔ میری

زندگی کا سہارا تو تم سے ہے۔ اور تم ہی میری آس توڑتے ہو۔ میرے زخمی کلیجے کو نہ دکھاؤ۔ یہ سب بار مجھ پر بھی ہیں یہ سب کچھ میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور برداشت کر رہا ہوں۔ اور جس غم کی خبر دے رہے ہو وہ بھی کچھ دور نہیں۔ طاقت بھی زائل ہوگی۔ کمر بھی ٹوٹے گی۔ زندگی کا سہارا بھی جاتا رہے گا۔ مگر وقت سے پہلے تو اس آزمائش میں مجھے مبتلا نہ کرو۔ کیا تم سب مل کر اب یہ نہیں کر سکتے کہ بس مجھ کو اجازت دیدو کہ میں ہی وہ ہوں جس کے لئے یہ سب قربانیاں ہو چکی ہیں تم سے علم رسولؐ لے کر میدان کارزار میں چلا جاؤں۔ یہ وزن بھی تمہارے کندھے سے اتر جائے اور میں بھی بار شہادت سے تمہارا داغ اٹھائے بغیر سبکدوش ہو جاؤں" یہ سنتے ہی سب کے جگر آپ کی مظلومیت پر چاک ہو گئے۔ اور اس حالت میں سب اشکِ غم بہا رہے تھے کہ موسیٰ ابن عقیل کی آوازِ سلام درِ خیمہ پر آئی۔

موسیٰ ابن عقیلؑ

حضرت جواب سلام دیتے ہوئے خیمہ سے باہر نکلے تو موسیٰ ابن عقیلؑ کو رومال سے ہاتھ باندھے درِ خیمہ پر ہتھیار لگائے دیکھا۔ دوڑ کر سینہ سے لگایا۔ ہاتھ کھولے

اور فرمایا "میرے بے گناہ مظلوم! یہ ہاتھ کس تقصیر پر باندھے ہیں"؟ موسیٰ امام علیہ السلام کی محبت دیکھکر اور یہ فقرہ سُنکر افراطِ ولا کے اشک آنکھوں میں بھر لائے اور عرض کیا "مولا! اس سے بھی بڑا جرم کوئی ہوسکتا ہے کہ صبح سے اس وقت تک نصرت میں کوتاہی کرتا رہا اب جبکہ تین بھائیوں کی شہادت اور وصیّت نے تحریک کی حجتِ آخری مجھ پر ختم کردی اور ایسے بھائیوں کے فراق نے زندگی ہی دشوار کردی تو گویا اس بہانے سے اذن خواہ ہوکر آیا ہوں۔ اگر حضور کی نصرت نہ بھی کروں تو کیا یہ غمہائے جانکاہ اب مجھے جینے دینگے؟"

حضرت نے فرمایا "شیروں کے شیر!! ہاشمی فصاحت تو تمہارے ورثے میں ہے۔ مجھے حق الیقین حاصل ہے کہ جو جان دے گئے وہ بھی اور جو باقی ہیں وہ بھی آج پروانہ وار ایک پر ایک سبقت کرکے میرے لئے سر ہتھیلی پر لئے ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ قدرت نے تمغۂ شہادت سینوں پر لٹکانے کے لئے وقت علیحدہ علیحدہ مقرر کردیا ہے۔ پس و پیش قضا و قدر سے تم بھی مجبور ہو اور میں بھی۔ ورنہ بتاؤ کہ میرا سب سے آخر رہ جانا کیا میری اس شہادت پر کوئی دھبہ لگا سکتا ہے جس پر نانا کی امت کا دارومدار ہے اور تمہارے لئے، بلکہ تم سب کے لئے کیا یہ فخر کم ہے۔ کہ وادی السلام میں تمہارا گذر بہر طور آج مجھ سے پہلے ہے" موسیٰ نے اس اشارہ کو اجازت کی سند سمجھکر پائے امام چومے اور تھوڑی دور اُلٹے قدم پھر کر اشہب تیز گام کی عنان اُٹھائی اور میدان کا رُخ کیا۔

موسیٰ کی جلالت

یوں تو عقیلؑ کی نسل شجاعت میں خاص حصہ لیکر ہی خاکدانِ عالم کو اپنی تلواروں کی چمک سے

روشن کرنے آئی تھی۔ لیکن مسلمؑ و موسیٰ کو اُس میں جو خاص حصہ ملا تھا: اس کے کرشمے ایک دن تو کوفیانِ بے حیا کوفے کے بازار میں مسلمؑ کی گرفتاری کے وقت دیکھ چکے تھے۔ جب فوج پر فوج طلب کرنے کے اعتراض اور عبداللہ ابن زیاد کے جواب میں ایک سالارِ لشکر نے لکھا تھا کہ "مجھے عقیلؑ کے ایک شیر کی گرفتاری کو بھیجا ہے کوفے کے کسی بقال سے مقابلہ نہیں" اور دوسرا کرشمہ اب زیادِ بدنہاد کی بھیجی ہوئی فوج کے سامنے تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے لشکر کے سامنے جاتے ہی زمین میں نیزہ گاڑ کر فرمایا۔

"چند کھوٹے درہموں کے سیاہ اور سفید ریش غلامو! میں تم پر سیف اور سنان سے حکمرانی کرنے آیا ہوں۔ چوڑیاں پہننے والی عورتوں کی مانند نمائشی مردو! اتم اس امام الانس والجان کے غلاموں سے جنگ پر آمادہ ہو، جو اگر چاہے تو جنوں کو حکم دے اور وہ تعمیل میں اپنے پروں کی دودھاری تلواروں اور تمہارے وجود سے تختۂ عالم کو پاک کر دیں۔ لیکن وہ ایسا امام عادل ہے کہ مجھ جیسے چند غلاموں کی وفا اور شجاعت پر بھروسہ کرکے تمہارے سامنے جما ہوا ہے۔ اس پر بھی تمہاری صفیں کی صفیں آج ماتم میں مشغول نظر آرہی ہیں اور آج کی کمی تم برسوں میں پوری نہیں کرسکو گے۔ میں اُسی مسلمؑ کا بھائی ہوں جس کی ۹ ذی الحجہ کی کارزار صفحۂ روزگار پر اُن الفاظ میں لکھی جائے گی جو آفتاب حشر کے نمودار ہونے تک درخشاں رہیں گے۔ میرے تین مال جائے آج بھی مجھ سے پہلے تمہارے سینکڑوں بہادروں کے چہرے ابھی ابھی تین دن کی بھوک پیاس میں کاٹ گئے۔ کیا یہی مردانگی ہے؟ کہ ایک ایک پر تم پانچ پانچ سو گروہ در گروہ ٹوٹ پڑے۔ خدائے قہار کو اِس پر

گواہ کرتا ہوں کہ اگر ایک ایک کرکے تم عرب کی حمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لڑتے تو صبح سے اس وقت تک مظلوم مسلم کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں پر بھی فتح کی حسرت پوری نہ ہوتی۔ بلکہ شاید تم کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑتا۔ اگر میرے کلام کو دلیل سے قطع کرنا چاہو تو ایک ہزار جوان چن لو۔ ایک ایک کو میرے مقابلہ میں بھیجتے رہو۔ اور نتیجہ یہاں دیکھ لو کہ شمر و عمر سعد تو کیا ابن زیاد و یزید کو بھی میدان میں آکر خاک اور خون کا منہ دیکھنا پڑے گا! اچھا! میں تمہاری غیرت سے مدافعہ کرنے کے انتظار کرتا ہوں"!!

شیروں کا کلیجہ پانی کرنے والے مندرجہ بالا رجز کے بعد آپ نے توقف کیا۔ لیکن کسی کو میدان قتال میں تنہا آکر مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی آخر عمر سعد نے ایک طرف اشارہ کیا اور تعمیل میں فوراً کئی سو تیروں کی گھٹا موسیٰ کی طرف بڑھی آپ نے ان کا یہ لعنتی ارادہ دیکھکر فوراً سامنے کی طرف گھوڑا اس تیزی سے اڑایا کہ تیروں کا سناٹا اپنے کماں داروں کی بے غیرتی پر لعنت کرتا ہوا خالی نکل گیا۔ اور جناب موسیٰ نے پھر اس طرح تکلم کیا۔

"لعنت کے پتلوں اپنا کمینہ پن دکھا چکے۔ اب ہماری تیغ اور مردانگی کے جوہر دیکھو" یہ فرما کر موسیٰ نے اپنی تلوار کو عصا کی طرح فرعونی لشکر پر چھوڑ دیا اور تھوڑی ہی دیر میں گھونگھٹ کھائی ہوئی فوج کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ ایک کے پیچھے ایک جان چھپا رہا تھا۔ لڑتے لڑتے یہ بہادر قریب نہر پہنچ گیا۔ اور ستر بے دینوں کو اس طرح ہلاک کیا کہ سینکڑوں جان بچانے کی فکر میں رود نیل کی طرح فرات میں ڈوب کر رہ گئے

جب موسیٰ کا یہ اس سب فرعونیوں پر اچھی طرح چھا گیا۔ اور اب جائے ماندن نہ پائے رفتن کی صورت رونما دیکھی۔ تو چاروں طرف سے فوج کے ٹڈی دل نے یہ سمجھ کر کہ موت سے اب تو کسی صورت مفر نہیں یکبارگی حملہ کر دیا اور جناب موسیٰ پر تیر، تلوار، نیزے اور سنانوں سے وار شروع کر دیئے۔ بہادر ہر چند سختیاں جھیلتا اور فوج کو دلیتا رہا۔ لیکن یکہ و تنہا بھوکا پیاسا کب تک اتنے متعدد حملوں کا جواب تن تنہا دے سکتا ہے اس پر بھی راوی کہتا ہے کہ گھوڑے کا تنگ ٹوٹنے اور اس سے ٹھوکر کھا کر گرنے سے آپ بالکل مجبور ہو گئے یہ دیکھتے ہی حملہ آور اور قریب ہو گئے اور تلواروں سے بے جان کر دیا۔ مجاہد شہیر فاسے تامام کو آواز بھی نہ دے سکا لیکن حضرت عباسؑ کی خبر پر مظلوم کربلا اور حضرت علی اکبرؑ دوڑے اور تینوں بہادر آن کی آن میں لشکر کو بھگا کر جناب موسیٰ کی لاش پر پہنچے۔

حضرت موسیٰ کو بے جان پا کر جناب امام علیہ السلام نے فرمایا۔

"میرے کلیم یہ بے ہوشی کیسی ہے کہ آپ اس بھائی کا جلوہ بھی نہیں دیکھتے۔ جس کے اشتیاق میں اکثر بے چین رہتے تھے۔ ہماری بےزبانی سے "ارنی" کے بجائے اور کسی کی آواز سنکر ہیں آپہنچا اور تم بغیر انتظار ریاض خلد کی سیر کو چلے گئے۔ نسل عقیل کے محضر شہادت پر تمت کی مہر لگانیوالے خاتم الشہدا! اٹھو تو حسینؑ سے بات کرو"

یہ سنتے ہی موسیٰ کی لاش نے ایک خفیف سی جنبش کی جو ایک طرف اظہار بے بسی تھی، اور دوسری طرف خاتمہ بالخیر کی آخری حرکت۔ حضرت نے فوراً لاش کو فرزند و برادر کی معیت میں گھوڑے پر رکھا۔ انھیں گنج

شہیداں میں لے جانے کا حکم فرمایا۔ اور خود خیمۂ عصمت و طہارت کا رُخ کیا جہاں پہنچ کر خاندانِ عقیلؑ کے خانے پر اُن کے لئے صفِ ماتم بچھانے کی خواہش ظاہر فرمائی۔

یہ معلوم کر کے کہ اولادِ عقیلؑ کے نوشیر ختم ہو گئے۔ سراپردگیانِ عصمت میں عجیب شور ماتم برپا ہوا۔ جنگل کے سناٹے بھی اِس ماتم میں شریک ہوئے۔ حضرت ڈیوڑھی پر طناب خیمہ پکڑے کھڑے رو رہے تھے۔ بچّے بھی گریاں تھے خصوصاً بیوۂ جناب مسلمؑ و یتیمۂ مسلمؑ کا عجب حال تھا۔

علّامہ ابوالفرح اصفہانی نے نَو کا شمار اس طرح کیا ہے کہ ایک تو جناب مسلمؑ کو سلسلۂ کربلا میں پہلا شہید شمار کیا ہے۔ دو مسلمؑ مظلوم کے وہ صاحبزادے جن کی شہادت سے "چمنستانِ محمدؐ پر خزاں" کا افتتاح ہوا ہے۔ چار کڑیل جوان جن کی مسلسل شہادت عمر بھر اہلِ وِلا کو خون کے آنسو رلائے گی۔ علاوہ ازیں عبداللہ الاکبر ابنِ عقیل اور عون ابنِ عقیل دو بہادروں کو اور شہدائے کربلا میں شامل مانا ہے اور اس لحاظ سے ۹ کی گنتی پوری ہوتی ہے۔ اور اس کا ثبوت سراقۂ باہلی کے اُس شعر سے ملتا ہے جو مصائبِ کربلا میں مرثیہ لکھتے ہوئے انھوں نے فرمایا ہے اور جس میں ذکر کیا ہے کہ آہ یومِ طفؔ وہ قیامت خیز دن تھا۔ جس کی چند گھڑیوں میں نو بہادر صُلبِ حضرت حیدر کرار علیہ السلام سے اور نوجوان صلبِ عقیلؑ سے خاک و خون میں پوشیدہ ہو گئے۔

اب خزاں کے جھونکے گلشنِ حسنؑ سبز قبا کی طرف بڑھے۔ اور دِل

تھام کر سنئے کہ قاسمؑ ابن حسنؑ کی باری اولادِ امام حسنؑ میں سب سے پہلے آئی۔

چمنستانِ محمدؐ کا نواں پھول یا گلِ نو شگفتہ

بن بیاہا دولہا

کہرام کا وقت آگیا۔ دل بیٹھا جاتا ہے۔ قلم نے لغزش شروع کردی۔ دل و دماغ پر اُس سانحۂ عظیم کا اثر مسلط ہے جس کے ذکر کو وجوہاتِ چند در چند کی بنا پر خاص اہمیت حاصل ہے مگر حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے الفاظ سیلاب غم میں بہے جارہے ہیں۔ آہ! سبط اکبر رسولؐ کا سب سے چھوٹا بیٹا۔ آہ حسنؑ کا شگوفۂ نورس!! اور کربلا کا بن بیاہا دولہا۔ خزاں کے جھونکوں میں چلا اس میدان بلاخیز کے علاوہ اُس کے واقعات زندگی اور کہیں نہیں ملیں گے۔ کیونکہ ابھی چمنستان محمدؐ کی سر بلند کلی تھے۔ مُنہ سے ابھی دیر تک میٹھی میٹھی باتیں کرکے باپ کو اچھی طرح خوش کرنے بھی نہ پائے تھے اور ابھی حَولینِ کَاملین کی مدت اور رضاعت کی منزل ختم کرکے بمشکل چھ ماہ ختم ہوئے تھے کہ باپ نے آخری مرتبہ سینے سے لگایا ایک تعویذ بازو پر باندھ کر اپنے بھائی حسینؑ کے سپرد کردیا۔ اور ساتھ ہی اُن کی مادرِ گرامی سے وصیت کردی کہ "مصیبت کے پہاڑ جب

چاروں طرف سے کبھی نہ پڑیں اس وقت یہ تعویذ کھولنا" یہ کہتے کہتے
گلے میں آخری ہچکی آئی اور تین سالہ بچہ اپنی طرف سے فدیۂ راہِ خدا
مقرر کیا۔ انھوں نے جو ہوش سنبھالا تو اپنے [illegible] کو پایا [illegible] غم خوار کو
اپنا باپ سمجھا اور امام عادل نے بھی حضرت علی اکبر کو جو ان سے سن
میں تقریباً پانچ سال بڑے ہوں گے ہر طرح ان کا محافظ بنا دیا اور
کہا "بیٹا! تم اپنے نانا کے مشابہ ہو تو یہ اپنے مرحوم باپ کی تصویر ہے!
دیکھنا اسے گزند نہ پہنچے۔ کیونکہ بھائی حسن سبز قبا کی رحلت کے بعد
ہی اس کا [illegible] پر [illegible] ہو [illegible] تو [illegible]
تو یہی تمہاری تلوار۔ تمہارے بازوؤں کی [illegible] اور ایک نہ ایک دن
تمہاری مدد ثابت ہوگا"

۱۵ رمضان سنہ ۵۰ھ روزِ شہادت امام حسنؑ سے آج ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ
تک دس سال ۳ ماہ اور ۲۵ دن سایۂ عاطفت حسینؑ میں [illegible] گئے
یہ بچہ آج ۱۳ سال کی عمر کو پہنچا تو عروسِ مرگ نے بابُ الموت کے
ہاتھ شادی کا پیغام بھیج دیا۔ مظلوم چچا کو جس طرح اس نونہال کے اس
عقد کا سہرا باندھنا پڑا وہ اہلِ ولا کے قلوب کو [illegible] خدا [illegible]
رکھے گا یہی کچھ وجوہات ہیں کہ نوباوۂ ریاضِ حسنؑ کے گل [illegible] سر بند
کو سہرہ باندھے دیکھنے کی تمنا اس قدر قلوبِ مومنین میں راسخ ہوگئی
کہ وہب عبداللہ کلبی کے بدلے جنھیں ہم پہلے مقتل میں "کربلا کا دولہا"
خطاب دے چکے ہیں اس تیرہ سالہ حسن بن بیاہے بچے کو دولہا کہنے لگے
اور یوں تو فقرا کی اصطلاح میں ہر رئیس زادے اور شہزادے کو
دولہا کہہ دیتے ہیں ان لحاظات سے یہ لقب اس حسنی شہزادے

اور رئیس ابن رئیس کو بھی ہر طرح زیب دیتا ہے۔ اور اس طرح عبد اللہ
ور پسران مسلم ابنِ عقیل بھی اپنی بیوہ ماں کی نگاہ میں دولہا بننے کے
قابل تھے۔ عون و محمد پسران بنتِ علیؑ بھی اپنی کوکھ جلی ماں کی اس حسرت
کو بہ احسن وجوہ پورا کر سکتے تھے اور ان کے لاشے آنے کے وقت اُس
مظلومہ کا بقول جناب سلیس فرمانا کہ "کیسے لاشے میرے بچوں کی برات آ ئی
ہے" اس حسرت کو کچھ کم روشن نہیں کرتا مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ عروسِ
مرگ کے علاوہ کسی خاتون عصمت کا نام ان سے منسوب کر دیا جائے
ورنہ امام زادی پر یہ ایسا الزام ہوگا جو بآسانی بحل ہونے کے قابل نہیں۔
ہاں ہم یہ دکھائیں گے کہ قاسمِ نوشاہ تن کا جانا بھی دولہا کے لباس میں
تھا اور میدان سے واپسی بھی دولہا کی تصویر تھی۔

کنگنا۔ سہرہ۔ مہندی یہ تینوں چیزیں یا ان کی نسبت کسی امام زادے سے کرنا میرے عقیدے میں
گناہ کبیرہ سے کم نہیں اس لئے کہ وہب کی تازہ شادی اگرچہ مستند
ہے اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اٹھارہ دن سے زائد اُن کی شادی
کو نہیں ہوئے تھے۔ معاذ اللہ خاندان امامت سے تو کیا نسبت؟ اسلام
کے بھی کسی مشہور خاندان سے نہیں تھے۔ لیکن ان کی نسبت بھی کوئی
ضعیف سے ضعیف روایت نہیں ملتی۔ کہ اُن کے ہاتھ میں کنگنا۔ اور
ہتھیلیوں میں مہندی یا ماتھے پر سہرہ تھا۔

بحور الغمہ اور چند ایسی ہی مہمل کتابوں کے مصنفین کو اللہ اپنی
جوار رحمت میں جگہ دے۔ کہ انھوں نے محض بُکا کی خاطر من گھڑت
قصے لکھ مارے اور محض وہب کی نسبت اِس اشارۂ روایت کو

کہ سرہائے شہدا رہیں ایک سر دولھا کا تھا۔ یہ خیال کرلیا کہ دولھا کا سر کیونکر پہچانا گیا؟ ضرور سہرہ ہوگا!! اور سہرہ تھا تو وہ قاسم ابن حسنؑ ہی کے سرپہ ہوگا!! کیونکہ ان کی شادی کی وصیت ہی تو امام حسن علیہ السلام نے لکھ کر بازوئے قاسم پر باندھ دی تھی۔ اور وصیت کا پورا کرنا امام حسینؑ پر فرض تھا۔ وغیرہ وغیرہ من ذالک نہایت مہلک قیاسات ہیں۔

تعویذ کی حقیقت

شب عاشور یا قیامت کی شب جب بی بیاں اپنی بھوکی پیاسی قربانیوں کو صبح شہادت کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ قاسم ابن حسنؑ بھی بیوہ ماں کے زانو پر سر رکھے بیٹھے تھے اور چونکہ کامل ۴۸ گھنٹے کی پیاس اور رگوں کا تشنج مانع خواب تھا۔ اور اس کا اظہار بے بس ماں پر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے پدر نامدار کے واقعات ماں کی زبانی سُن رہے تھے۔ یہ وہ ذکر تھا جس نے رانڈ ماں کا دل اس وقت مصیبت میں اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بیٹے کے سینے پر مُنہ رکھکر زار و قطار رونے لگیں۔ اِسی حالت اور افراط جوش میں جو بیٹے کے بازو محبت میں بھینچے تو شوہر اور آخری امام کا دستخطی تعویذ محسوس ہوا۔ فوراً سر اٹھا کر فرمایا " بیٹا! لاؤ تعویذ تو کھولو۔ خوب وقت پر یاد آیا، تمہارے والد ماجد کا حکم تھا۔ کہ انتہائی مصیبت میں اِسے کھولنا۔ اب اس سے زیادہ قیامت کی رات کیا اور بھی آئے گی"

باپ کی تحریر کے اشتیاقِ زیارت میں قاسمؑ ماں کے زانو سے

اُٹھے۔ اور تعویذ کھولنا شروع کیا۔ اب جو دیکھا تو حسب ذیل باپ کی وصیت بیٹے کے نام تھی" قاسم بیٹا! جس ہولناک اور غم افزا رات میں یہ وصیت پڑھو گے اس کی صبح ناناکے کندھے پر سوار ہونیوالا۔ اور اماں فاطمہؑ کی گود کا پالا۔ بھائی حسینؑ نرغۂ اعدا میں گھر جائے گا۔ اولادِ عقیلؑ و علیؑ اپنی جان حسینؑ پر مردانہ وار نثار کر دے گی۔ آہ! اُس دن عباسؑ جیسا علی کا شیر بھی نہر فرات پر قتل کیا جائے گا۔ اور اگر میں بھی ہوتا تو پہلے اپنی ذاتی قربانی حسینؑ کے لئے پیش کرتا۔ لیکن میں نہیں تو تم اور تمہارے بھائی میرے مظلوم بھائی کے کام آنا۔ اور یہ دکھا دینا کہ اگر باپ نہیں تھا تو بیٹوں نے اس کی جگہ محضرِ شہادت پر اپنی روشن مہر ثبت کر دی۔ تمہاری غم نصیب ماں میری اس وصیت پر عمل کرنے میں تمہاری مدد کرے گی۔ اور جس طرح میں تمہیں اپنے ہاتھ سے سنوار کر میدان میں بھیجتا۔ بعینہٖ اسی طرح وہ ہمت مردانہ کا ثبوت دے کر صبر کی سِل اپنی چھاتی پر رکھیں گی۔ اللہ صابرین کو دوست رکھنے والا ہے۔ وقت شہادت میں تمہارے سرہانے ہونگا۔"

وصیّت کا اثر

یہ دیکھنا تھا کہ دونوں ماں بیٹوں نے اِس خطّ وصیّت کو بوسے دیئے۔ جناب ام فروہؑ نے سر پر رکھا اور قاسمؑ نے لبیک کہہ کر آنکھوں سے بار بار لگایا۔ خط کا اثر کہیئے یا طاقتِ ایمان کا کرشمہ سمجھئے۔ دونوں کا کرب۔ دونوں کی پیاس اور دونو کا اضطراب مفقود ہوگیا۔ وہ بیوہ جس کی مانگ اجڑ چکی تھی۔ اپنے ہاتھوں کوکھ اُجاڑنے کے لئے اس طرح تیار ہوئی کہ احمد بن حسنؑ اور عبداللہ بن حسنؑ دونوں بڑے صاحبزادوں کو جو جوانی کی پیاس ضبط کرکے

اور شجاعت کے آنسو پی کر سو چکے تھے، جگا دیا۔ دونو شیر انگڑائی لے کر اٹھے۔ اور ہاتھ باندھ کر ماں کی حضور میں حکم کے منتظر کھڑے ہو گئے۔ جناب اُمّ فروہ نے دونوں کو پیار سے پاس بٹھا کر فرمایا "میرے شیرو! حسنؑ کے دلیرو! باپ کی وصیت پڑھوگے یا سنوگے؟ دونو نے عرض کی لائیے لائیے۔ آنکھوں سے مس کرنے کا فخر بھی بخشئے اور پڑھنے کی عزت بھی۔

دونوں نے پڑھا اور تلواریں کھینچکر عرض کی" اماں جان! دل تو یہ چاہتا ہے کہ باقی رات کو بھی تلواروں سے کاٹ دیں مگر کیا کریں کہ اس کی طنابیں مقدس فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں۔ صبح ہونے دیجئے انشاءاللہ آپ دیکھیں گی کہ حسنؑ ابن علیؑ کے بیٹوں کے ہاتھوں میدان میں ستھراؤ نظر آئے گا۔

بھائیوں کا راز و نیاز

غرض صبح سے اسوقت تک جو کچھ ہوا تینوں بھائی دیکھتے رہے اور ہونٹ چباتے رہے آخر جناب قاسمؑ نے جب دیکھا کہ عقیل کے چاروں چراغ گل ہو کر باپ دادا کا نام روشن کر گئے تو آپ نے اپنے دونوں بھائیوں سے عرض کیا کہ میں آپ کا خورد ہوں۔ آپ میرے احوال کے نگراں اور پاسباں ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے بعد مجھ سے کوتاہی ہو یا آپ کی شہادت کے بعد میری ہمت میدانِ جنگ میں پہلو تہی کرے اسلئے اپنی آنکھوں کے سامنے میری قربانی کی تکمیل کراتے جائیے۔"

دونوں بھائیوں نے فرمایا" قاسم بھائی! اگرچہ تمہارا فراق ہم پر کٹھن ہے۔ لیکن تمہارے دلائل بڑے مستحکم اور تمہاری ضد اس قدر پیار

کے قابل ہے کہ ہمیں گنجایش کلام نہیں۔ اور یہ یقینی ہے کہ تمہارے بعد ہم بھی بابا کے قدموں میں پہنچتے ہیں۔ نیز ان کی وصیت بھی مخصوص تمہارے لئے اور تمہارے بعد ہمارے واسطے ہے۔ اس لئے کارِ خیر میں توقف لازم نہیں۔ تم ہم سے پہلے تاجِ شہادت پہن لوگے۔ تب بھی بابا ہی کا نام ہوگا۔"

حضرت قاسمؑ کا طریقہ حصولِ اذن

حسنؑ کا نونہال چچا کے خیمے کی طرف جا رہا ہے۔ جلالت اور نہور اس کی کم سنی کے عالم میں بھی یمین و یسار نقابت کر رہے ہیں۔ حُسنِ رفتار سے حوروں کے دل غرفوں میں پسے جا رہے ہیں، ماں کی سہرے کی آرزو پیغامِ وصلِ شہادت کے ساتھ ساتھ ہے۔ اس شان سے خیمہ میں داخل ہوتے ہی ہمیشہ جس کو باپ سمجھتے رہے اُس چچا اور امام کا وہ چہرہ دیکھا جو علم امامت سے کسی انجام کار پر زرد ہو گیا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کی "عمّ نامدار! اب تو اپنے بڑے مرحوم امام اور بھائی کی وصیّت کو پورا فرمائیے" یہ کہکر روتے ہوئے وصیت نامۂ پدر امام کے دست حق پرست میں دیا۔ مظلوم کربلا نے دیر تک بوسے دیئے۔ روتے جاتے تھے اور فرماتے تھے "بھائی حسنؑ! اپنی نشانیوں کو بھی وقت آخر مجھ سے چھڑاتے ہو" جناب قاسمؑ بھی چچا کے اِس بیان پر رونے لگے۔ مظلوم کربلا نے یہ سمجھکر کہ کم سن بچہ میدان جنگ کا کیا اثر دل میں لئے ہوئے ہے۔ دریافت کیا "بیٹا موت کو کس نگاہ سے دیکھ رہے ہو؟" ہاتھ جوڑ کر عرض کیا چچا جان اگر آپ بچ جائیں تو شہد سے زیادہ شیریں ہے" امام نے آہ سرد بھر کر کہا "جانِ عم! میں تو کیا، آج تو علی اصغرؑ بھی نہیں بچے گا" یہ سنتے ہی غیرت کا

پسینہ چہرۂ قاسم پر آگیا اور اضطراب میں کہا "کیا قاتل خیمے میں گھس آئیں گے جو بھیا علی اصغرؑ کو شہید کردینگے؟" امام حسینؑ اس سوال کے انجام پر شدت سے روئے اور فرمایا "بیٹا! اس سے مطمئن رہو حسینؑ کی زیست میں یہ ناممکن ہے کہ کوئی خیمہ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے۔ اصغر کا واقعہ باپ کے ہاتھوں پر میدان جنگ میں ہوگا" یہ سنکر حصولِ اذن کا شوق اس قدر بڑھ گیا کہ حسنؑ کے نونہال نے چچا کے ہاتھ اور پاؤں چومنے شروع کردیئے، امام نے یہ دیکھکر گود میں اٹھالیا اور سینے سے لگا کر اسقدر گریہ کیا کہ آواز بلند ہونے لگی اور اسی طرح گود میں اُٹھائے خیمۂ امِّ فروہ میں پہنچے اور فرمایا "قاسم کو آخری مرتبہ دیکھ لو یہ بھی اذن میدان چاہتے ہیں" ماں کی ممتا تو بہت کچھ چاہتی تھی۔ مگر ضبط کی مہر جذباتِ دل پر لگا کر فرمانے لگیں "عورتوں پر آپ کی نانا کی شریعت نے جہاد حرام کردیا ورنہ میں بھی آپ کے قدموں پر نثار ہوتی" یہ فرما کر امام حسنؑ کا عمامہ اور جناب قاسم کا ایک قمیص لے آئیں اور گویا یہ اشارہ تھا کہ اپنے ہاتھوں سے سنوار کر رخصت کیجئے۔

نوشاہ بنانے کی حسرت

حضرت نے اپنے ہاتھ سے قمیص پہنایا اور عمامہ تحت الحنک کے ساتھ باندھ کر مسافرِ راہِ خدا کو تیار کردیا۔ اور آخر میں عمامہ کا شملہ اس طرح چہرہ کے سامنے لٹکا دیا کہ تمازتِ آفتاب سے بھی بچائے رکھے اور اُس کا زرّین پلّہ سہرے کی جھلک دکھا کر ماں کی نوشاہ بنانے کی حسرت کو بھی پورا کردے۔ اسی کو مرحوم شاعر جناب جاوید مغفور نے ایک مرثئیے میں فرمادیا ہے کہ ع

دھوپ نکلی بھی تو سہرے کے سنہری پن کی

آخر خاندانِ اجتہاد سے تعلق رکھنے والا مداحِ اہلِ بیت تھا۔ نگاہ کی وسعت
نے اندازہ لگا لیا کہ اگر عمامے کی پلّے کی جھلک کو عرفاً سہرہ کی جھلک کہدیا جائے
تو کوئی مضائقہ نہیں اور کسی شے کو جو بمنزلہ سہرہ کے ہو اگر سہرہ کہہ بھی دیں تو
تمثیلاً جائز ہے مثلاً ایک حسین چہرہ یکلخت سامنے آجائے، اور کہنے والا
یہ کہدے کہ آہا! آفتاب کدھر سے نکل آیا تو نہایت موزوں ہوگا اور
تعریض کی گنجایش نہیں۔"

بغیر سِلاح کا سپاہی

حسنؑ سبز قبا کے لعل کی شان کربلا کے میدان میں یقیناً جسقدر نئی اور دل کش
ہے۔ اتنی ہی روح فرسا اور جگر چاک کناں بھی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ
آج یزیدی فوج کی فولادی دیواروں کے سامنے جو بہادر آتا تھا وہ جہاں
حملے کے لئے ہر قسم کے ہتھیار کا وزن لاتا تھا وہاں وہ خود بھی زرہ بکتر اور
خود سے اوپچی بنا ہوا آتا تھا۔ لیکن حضرت قاسم کے دست راست میں ایک
نیمچے کے ماسوا نہ حملے کے لئے کچھ تھا۔ اور نہ دشمنوں کے حملے سے بچاؤ کیلئے
سوائے ایک حریری کرتے کے اور کچھ تھا۔ محققین نے اس معاملہ میں کوشش
کر کے یہ معلوم کیا کہ عرب میں اس عمر کا کوئی سپاہی اس سے قبل میدانِ
جنگ میں آیا ہی نہ تھا۔ اس لئے اس قد و قامت کی سلاح کہیں نہ ملتی تھی
مجبور چچا نے اسی طرح گود میں لے کر شیر کے بچے کو راہوار کی پشت پر سوار
کر دیا لیکن داہنے بازو پر امام بھائی کی تحریر اور بائیں بازو پر جناب سیدہؑ کا
سبز رومال باندھ دیا۔ یہی جوشنین اس مجاہد کی حفاظت کے لئے تھے اور
امامِ خلد آشیاں کا عمامہ خود کی جگہ تھا۔

میدانِ قتال میں حسنی جلوہ

حسینی سپاہی حسنی جلوہ دکھاتا ہوا چلا

اسپ سبک گام نے دیکھکر کہ پہلا امام زادہ عازم دشت قتال ہے کنوتیاں بدلیں۔ حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ نے کچھ دور پیچھے یمین و یسار اپنے گھوڑے ڈالے، امامِ عالی وقار عقب میں چلے۔ قاسم نے مڑکر دیکھا تو تین بزرگوں کو مدد میں پایا۔ امام نے فرمایا "بیٹا! گھبرانا نہیں۔ حسنؑ بھی اسی میدان میں آپہنچے ہیں صاحبزادہ نے جھک کر آخری مجرا کیا۔ گھوڑے نے ایک جست کی اور حدودِ فوجِ امام کی فضا سے رخصت ہوکر آن کی آن اور رن کی ہوا میں جولانیاں دکھانے لگا۔ جناب عباسؑ و علی اکبرؑ علیہما السلام اپنے اپنے مقام پر ٹھہر گئے اور مظلوم کربلا واپس خیمہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔

جنابِ قاسمؑ کا رجز فوج اعدا کے مقابل ہوکر جناب قاسمؑ نے عنان فرس کو روکا اور بایں الفاظ مخاطبہ فرمایا" اگر تم انکار نہ کرو اور منکر نہ ہو تو میں نبی مصطفٰےؐ کے بڑے نواسے اور بیٹے کا بیٹا ہوں اور وہ رسول کے کاندھوں پر سوار ہونے والے عم نامدار حسینؑ ابن علیؑ ہیں جو آج غم و رنج کی بیڑیوں میں اسیر ہیں۔ آج تمام عالم کے گروہِ مردم میں ان سے بہتر اور افضل کوئی مرد نہیں ہے۔ جنات کی فوجیں اور صف درصف ملائکہ اُن کے اشارہ ابرو کا انتظار کر رہے ہیں لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ امام عادل ہرگز اپنے نانا کی اُمت کے مقابلہ میں ان کو اذن نہیں دیگا۔ اور اس کی ضرورت تو اُسے ہو جو خود عاجز ہو۔ وہ اگر چاہیں تو اپنے قوت بازو بھائی۔ اپنے شیر صفت بیٹے اور مجھ جیسے چند غلاموں کو لے کر یکلخت تم پر ٹوٹ پڑیں اور اسمیں خلاف انصاف بھی نہ ہوگا جبکہ تم ایک پر ہزار ہزار جھک پڑتے ہو۔ لیکن نہیں! ان کی شجاعت اس کی بھی روادار نہیں۔ ثبوت اور زندہ ثبوت

ہیں دیکھ لو مجھے تنہا اجازت دیدی ہے اور میں تمہاری بہادری سے مرافعہ کرتا ہوں کہ آج عرب و مصر و روم کی فوجوں میں سے جو شجاع ترین ہو اسکو میرے مقابلہ میں بھیجکر اپنی اور ہماری طاقت کا اندازہ کرلو۔ اور اسی ایک جنگ کی فتح و شکست کو حق و باطل کی میزان بنالو۔

تیرہ برس کے بچے کا یہ رجز سنکر عمر سعد کی فوج میں سناٹا چھاگیا۔ بڑے بڑے تلوریے دنگ تھے کہ کیونکر اپنے آپ کو موت کے خدشے میں ڈال دیں۔ عمر سعد کا یہ دوسرا وقعہ تھا کہ ابتدائے جنگ کے بعد وہ دوبارہ اس وقت خیمہ سے باہر نکلا اور چاروں طرف نگاہ ڈال کر پکارا "کیا تمہاری خاموشی کے یہ معنی ہیں کہ تم سب ایک بچے سے عاجز ہو اور مجھے خود جنگ کے لئے نکلنا چاہیئے۔ ورنہ بتاؤ کہ مبارز طلبی کا اتنی دیر تک خاموشی میں جواب دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ آج شام کے بہادر کس تاریکی میں گم ہیں کہ جب نام روشن کرنے اور اظہار شجاعت کا وقت ہے تو ان کے چہرے نقاب میں ہیں"

یہ جگر خراش فقرے سنکر ازرق شامی نکلا اور گویا ہوا "امیر! تیرے اقبال کا ستارہ جب تک چمک رہا ہے اسوقت تک تاریکی میں گم ہونے کے کیا معنی؟ میں یہ سمجھتا تھا کہ مجھے عباسؑ یا حسینؑ کا مقابلہ کرنا ہوگا اس لئے ایک طفل حسنی کا مقابلہ میرے لئے ننگ و عار ہے لیکن چونکہ جوانانِ شام کو تو نے مخاطب کیا ہے اسلئے میرے چار لڑکوں میں سے ایک کو اس طفل کے سامنے بھیجدے اور بس وہی جواب کیلئے کافی ہوگا" یہ ہمت افزا جواب سنتے ہی ازرق کا ایک بیٹا خیمے کا پردہ نوکِ نیزہ سے چیر کر نکلا اور کہا "میں ہوں جو اس مبارز طلب کا سر ابھی کاٹ کر لاتا ہوں" یہ کہتا ہوا گھوڑے کو ایڑ کر کے ہوا ہو گیا

اور جناب قاسمؑ کے مقابل جا پہنچا۔ ادھر حضرت عباسؑ نے جو بلندی پر کھڑے تھے آواز دی "ہاں بیٹا" شکار زور پر ہے اب حملے کی مہلت نہ دینا" یہ سننا تھا کہ جناب قاسمؑ نے اسکا بڑھتا ہوا نیزہ اس زور سے کھینچا کہ وہ زین سے آدھا لٹک گیا اور جناب عباسؑ سے چورنگ سیکھے ہوئے شیر نے ایک ہاتھ تیغ کا ایسا مارا کہ اس کا وہ سر جس میں بان لاف زن پوشیدہ تھی سر سے الگ ہو کر دور جا پڑا اور رکاب میں الجھی ہوئی لاش کو گھوڑے نے ازرق شامی کے سامنے پہنچا کر رسم تعزیت ادا کی۔ بیٹے کی بے سر لاش دیکھ کر ازرق کا غصہ اور انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور اگر عرب کی غیرت اُسے بچے کے سامنے جانے سے منع نہ کرتی تو خود میدان میں نکل آتا۔ ذرا خود کو سنبھال کر دوسرے بیٹے کو آواز دی اور وہ گھوڑا اڑاتا ہوا جناب قاسمؑ کے سامنے جا پہنچا۔ لیکن میدان میں آنے کا وقت اس سے زائد نہ تھا جسقدر جلد وادیِ برہوت میں اس کی روح اپنے بھائی سے جا ملی۔

اس موقع پر مورخین نے اگرچہ ازرق کے بیٹوں کے نام نہیں لکھے لیکن یہ حدِ تواتر سے ہے کہ اسی طرح اسکے دونوں اور بیٹے بھی قاسم ابن حسنؑ کے ہاتھ سے دارالبوار پہنچکر اپنے باپ کی نسل کو قطع کر گئے۔ اب مقطوع النسل باپ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی، اور یہ وہ موقع تھا جہاں اچھے سے اچھے دلیر۔ بڑے سے بڑے شجاع اور قوی سے قوی عناں گیر کے ہاتھوں سے عنانِ صبر چھوٹ جاتی ہے۔ کلیجہ پھٹ جاتا ہے اور کمر ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ بالکل اسی کی تصویر مجسم اس وقت ازرق شامی بنا ہوا تھا۔ اس کی صبحِ تمنا شامِ حسرت بن چکی تھی۔ وہ غیرت جو اب تک قاسمؑ کو بچہ سمجھکر مقابلہ پر جانے سے روک رہی تھی اب کوسوں دور نظر آنے لگی اور شعلۂ انتقام نے اس قدر جوش کیا کہ وہ بغیر سلاح جنگ پہنے صرف

اور محض ایک نیزہ ہاتھ میں لئے گھوڑے پر سوار ہو کر متوجہ میدان کارزار ہوا۔

رستم وسہراب کے فسانے پڑھنے والو اگر عقل سلیم رکھتے ہو تو بس اس واقعہ پر نگاہ غور ڈالنے اور آج کے بعد پھر ایسی مہمل داستان کا تذکرہ نہ کرنا جس کی اصلیت چڑے اور چڑیا کی کہانی سے زائد نہیں اور ان بہادروں کے نام فسانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ دیکھو اور غور سے دیکھو شام کا وہ بہادر جو ہزار ہزار جوانوں کے درمیان گھس کر برسوں جنگ کی مشق کر چکا ہے اور آج تک جس کے جسم پر کوئی عرب کا شجاع ایک زخم نہیں لگا سکا اور جو خود بھی اپنی دانست میں علیؑ کے فرزندوں میں صرف حسینؑ اور عباسؑ کو اپنا مقابل سمجھتا ہے۔ اولاد بنی فاطمہؑ میں سے ایک بچے کے مقابلہ کو آرہا ہے۔ وہ بچہ جو تین شب و روز سے پیاسا ہے اور یہ بھی اسوقت جب ۸۔ ۹ اور دس تاریخوں کا آپ شمار کریں اور اگر ساتویں کا دن بھی بندش آب میں شمار کیا جائے گا تو سمجھ لیجئے کہ ایسے پیاسے بچے کے حواس کا کیا عالم ہو گا۔ جنگ تو جنگ وہ گھوڑے پر نشست کے بھی قابل ہے یا نہیں؟ بتلایئے۔ اور اطبائے یونانی وانگریزی سے پوچھئے کہ ۱۳ سالہ بچے کا اسوقت کیا حال ہونا چاہیئے درانحالیکہ وہ چار جوانوں کا مقابلہ بھی کر چکا ہو!

مظلوم کربلا اور خیمے کی حالت

مظلوم کربلا کو جناب علی اکبر بار بار اپنے چچا زاد بھائی کی شجاعت کا حال سُنا رہے تھے اور خود غریب چچا بھی اپنے بھائی کی نشانی کو دور سے دیکھ رہا تھا اور انجام کا پیش نظر تھا جس سے بار بار قطرات اشک رخسار امام پر آجاتے تھے۔ اب علی اکبرؑ کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ ازرق جیسا بہادر خود انتقام کو آرہا ہے تو آپ نے درِ خیمہ پر اطلاع دی۔ اور فرمایا کہ پیاسی

قاسمؑ کی ازرق پر فتح کے لئے دعا کریں اور یہ کہتے ہی خود پیشانی زمین گرم پر رکھدی اور فرمایا" خدایا تو جانتا ہے کہ ازرق کی حالت صرف چار بیٹوں کے مارے جانے سے کیا ہو گئی ہے لیکن میں تمام کمائی بھی تیری راہ میں لُٹا کر مطمئن ہوں۔ یہ تو خواہش نہیں کہ قاسم کی لاش میدان جنگ سے نہ لاؤں۔ لیکن یہ التجا ہے کہ اس مغرور کا غرور سیدۂ عالمؑ کے پوتے کے سامنے آج توڑ دے تاکہ اس طفل نوخیز کی ماں شادی کے بدلے بچے کی اس فتح کی خوشخبری تو سن لے" راوی کہتا ہے کہ امام ہمام نے سجدے سے سر نہیں اُٹھایا۔ اور حضرت عباس گھوڑا دوڑا کر ازرق سے پہلے قاسمؑ کے قریب پہنچ گئے۔ اور ازرق کے آتے ہی آپ نے فرمایا" سُنا ہے تُو تو مجھ سے یا میرے آقا سے جنگ کے ارادے پر آیا تھا تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک بچے سے جنگ کو نکل پڑا کیا شام کی ماؤں کا دودھ بس اتنی ہی غیرت کا جذبہ رکھتا ہے۔ اگر آج تو نے قاسم پر فتح پالی تو بتا تیری شجاعت میں کیا اضافہ ہوگا۔ درآنحالیکہ میں اُس صورت میں اپنے بھتیجے کا انتقام لئے بغیر یہاں سے تجھے ہلنے نہیں دونگا۔ اور اگر اس کے خلاف اس بچے نے اپنے باپ کے خون کی جلالت آج دکھا دی اور تو قتل ہو گیا تو پھر شام کی بہادری کے افسانے پاؤں میں روندنے کے قابل ہو جائینگے اور قیامت تک تیرا نام شجاعت کے دامن پر ایک دھبہ اور قاسمؑ کا ذکر بہادروں کے صفحۂ قلب پر لکھنے کے لائق ہوگا۔"

ملعون چونکہ پرکالۂ آتش بنا ہوا تھا۔ اسلئے جواب دیئے بغیر حملے پر تل گیا اگرچہ اس کی گراں باری فرس پر بار تھی راوی کہتا ہے کہ حضرت عباسؑ پھر دور ہٹ گئے اور قاسم سے اتنا کہا" بیٹا تمہارے دادا نے تو مرحب کو مار گرایا تھا تمہارے سامنے ایک شامی کی کیا حقیقت ہے۔" یہ سنتے ہی جناب

قاسمؑ کی رگوں میں ہاشمی خون سرعت سے دوڑا۔ نیمچہ سنبھال کر ازرق کے مقابل جم گئے اور دیر تک ردّوبدل کے بعد ازرق کو نہایت غصہ میں دیکھکر آپ نے فرمایا " تیرا بے سلاح ہونا تو تعجب آمیز نہیں اِسلئے کہ میں بھی اسی حالت میں ہوں لیکن یہ ایک مشاق جنگجو کیلئے عیب ہو گا۔ کہ اسکے گھوڑے کا تنگ کھل جائے۔ اور وہ بے خبر ہو" یہ سنتے ہی ملعون نے ادہر جُھک کر تنگ کو دیکھا اور ادہر عرصۂ حیات اس پر تنگ ہو گیا۔ شاہزادہ نے موقع پاکر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ ضربِ علیؑ یوم الخندق " کی یاد تازہ کردی۔ یہ وہ ہاتھ تھا جس نے راکب کے ساتھ مرکب کی پشت تک کو دوگا رکر کے چھوڑا۔ اور گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت عباسؑ جری نے فنون جنگ میں یہ ضرب اپنے بھتیجے کو محض آج اور اس وقت کے لئے سکھا رکھی تھی۔ جس کا ذکر قیام دنیا تک قائم رہیگا۔

اُدہر گرد کا خیمہ دامن ہوا نے چاک کیا اور ادہر شاہزادے نے تکبیر کی آواز بلند کی۔ مظلوم کربلا کا درگاہ بے نیاز میں جھکا ہوا کامیاب سر خاک سے اٹھا اور پیاسی زبان نے بھتیجے کو سینے سے لگانے کے لئے آواز دی۔ جناب قاسمؑ نے ازرق کا سر کاٹ کر امام کے قدموں کی طرف پھینکدیا۔ اور چھوٹے چچا کے ہمراہ فاتح جھومتا ہوا واپس آیا۔ مولائے دوجہاں استقبال کو بڑھے۔ اور آج گویا علیؑ کے پوتے کیلئے رسولؐ کا نواسا جنگ خندق کے واقعات کی تجدید کر رہا ہے۔ درِ خیمہ پر منتظر بیبیاں اشتیاق میں تھیں۔ ماں نے سر سے پاؤں تک بلائیں لیں۔ اور پسینے میں شرابور قمیص اتار کر دوسرا کرتہ زیب گلو کیا۔ نعلین درست کرنے کیلئے مجاہد کے قدموں کی طرف جھکنا چاہتی تھیں کہ شاہزادہ قدموں

پر گر پڑا۔ اور دوبارہ اذن خواہ ہو کر چلا۔ یہ رخصت الوداعی رخصت
تھی جسکی ماں کے دل نے جناب اُمِّ فروہ کو خبر کر دی۔ مظلومہ غش کھا کر
گری اور آغوش محبت کا پلا ہوا بیوہ کا بچہ پھر رزم گاہ کو چلدیا۔ نعلین کا ایک
تسمہ جو جنگ کی سختیوں میں ٹوٹ گیا تھا اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ
واپسی کی امید ہوتی تو دل جلی ماں اس طرح نہ آنے دیتی۔

قاسم کی آخری جنگ اور شہادت

ازرق کی موت سے بڑے بڑے منچلے بہادروں کے چہرے کا پسینہ
ابھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ پھر شیر کی آواز کانوں میں اور اس کی بوشامہ
تک پہنچنے لگی۔ اب عمر سعد جیسے روباہ فن کے پاس سوائے اس کے
چارہ کار نہ تھا کہ تمام لشکر کو حملے کا حکم دے اور عرب کی شجاعت پر جہاں
صبح سے اسوقت تک بے عزتی کے بے شمار چھاپے لگا چکے تھا۔ وہاں
تاریخ پر یہ بدنما دھبہ بھی چھوڑے کہ ایک بچے کے لئے لشکر کو آمادہ کیا گیا۔
چنانچہ اسکے اشاروں پر چاروں طرف سے یلان فوج ایک دوسرے
کی ہمت بڑھاتے ہوئے بڑھے اور ہزبر حسینی نے لومڑیوں کو اپنی طرف
آتے ہوئے دیکھکر غضبناک شیر کی طرح حملہ کیا۔ اب گھمسان کی جنگ
شروع ہوئی۔ خاک کا ایک ابر حسنؑ کے چاند پر چھا گیا۔ اور اس حالت میں کہ
ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیتا تھا منچلے جانباز کا نیمچہ اپنی صفائیاں دکھا رہا تھا
اور اس حالت میں بھی ستّر بے دینوں کو موت کے گھاٹ اتار کر رہا۔
سعد ابن عروہ ابن نفیل ایک ملعون کمینگاہ میں لگ گیا۔ اور اس شقی ازلی
نے فرق مبارک جناب قاسم کو شگافتہ کر دیا۔ شاہزادہ تیورا کر زمین پر گرا اور
گرتے گرتے سینکڑوں وار اس یتیم پر چل گئے یا عمّاہ ادرکنی

کی آواز بلند ہوئی تھی کہ مظلوم کربلا گھوڑا اڑا کر پہنچے۔ عقب میں جناب عباسؑ و علی اکبرؑ علیہما السلام دوڑے۔ تین بپھرے ہوئے شیروں کو آتا دیکھ کر فوج لعین کے سوار ادھر سے اُدھر ہو گئے اور مقتول کی لاش پامالِ سُمِ اسپاں ہو گئی۔ امام ہمام پہنچے تو رمقِ جان باقی تھی، لیکن بچپنے کے اثر اور جاں کنی کے عالم نے پیاسے کی زبان پر استغاثے کے الفاظ "یَا اُمَّاہُ اَدْرِکِیْنِیْ" میں بدل دیئے تھے۔ یعنی جب دیکھا کہ چچا نہیں آئے تو غریب ماں کو پکارنا شروع کیا۔ امام علیہ السلام نے دیکھا کہ عمر ازدی جو آخری وار مجاہد پر لگا کر بھاگا تھا۔ سامنے کھڑا ہے۔ آپ نے نہ چاہا کہ وہ میدان سے اپنی کامیابی پر خوش و خرم واپس ہو جائے دوڑ کر ایک وار اس ملعون پر ایسا کیا کہ اسکا دستِ راست قطع ہو کر تلوار سمیت زمین پر گر پڑا۔ واپس ہو کر آپ نے شہزادے کا سر اپنے زانو پر رکھا اور فرمایا "یعز واللّٰہ علیٰ عمّک ان تدعوہ فلا یجیبک او یجیبک فلا یغنیک او یغنیک فلا یغنی عنک" بیٹا تمہارے چچا پر شاق ہے کہ تم اسے پکارو اور وہ تمہاری مدد کو نہ آسکے۔ اگر آئے تو کوئی مدد نہ کر سکے۔ اور اگر اپنی مدد پیش کرے تو وہ تمہارے کام نہ آئے۔

"آہ کیسی بدبخت قوم ہے۔ جس نے تجھے قتل کر دیا اور اپنے اُس نبیؐ سے شرم نہ آئی جس کا وہ کلمہ پڑھتی ہے۔"

پُرارمان کی لاش خیمۂ عصمت و طہارت میں

غضب کا وقت آ گیا بن بیاہے کی لاش بن بیاہے (علیؑ اکبر) نے گھوڑے پر ڈالی۔ امام۔ امام کا بھائی اور امام

کا بیٹا۔ پیدل مشایعت فرمارہے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ شہید مجاہد کے پاؤں زمین کربلا پر اپنی شجاعت کا خط کھینچتے جارہے تھے۔ اور اس کی تصریح جسقدر روح فرسا ہے وہ تمام مجاہدین سے اس شہید کو ممتاز کررہی ہے۔ یعنی اسوقت تک کسی شہید کی لاش پامال نہیں ہوئی تھی لیکن حسنؑ کے پھول پر یہ سب سے پہلی افتاد تھی کہ جسم کی ایک ایک رگ کھینچ کر شمشاد قد مجاہد کو سروقد بنا رہی ہے۔ اب دنیا کی ماؤں سے مخاطبہ کا وقت آگیا۔ مظلوم کا باپ تو آج موجود نہیں جو اس حالت میں پُرارمان کی لاش کو دیکھتا لیکن ہاں! مامتا کی ماری اور بیوہ دکھیاری ماں درِ خیمہ سے لگی کھڑی ہے۔ بیٹے کی سواری سامنے آرہی ہے جسقدر قربت اس منظر کو ہوتی جاتی ہے۔ ماں کی آنکھوں کا نور زائل ہورہا ہے۔ چھاتی پھٹی جاتی ہے۔ حواس رخصت ہورہے ہیں۔ امام ہمام علیہ السلام پر یہ سب کیفیت اپنے علم سے روشن تھی۔ چند قدم آگے بڑھے۔ اور آواز دی "اہلبیت رسولؐ! آج تمہارا معبود۔ تمہارے صبر کی انتہا دیکھنی چاہتا ہے۔ کچھ وقت گذر گیا ہے اور چند گھڑیاں اور باقی ہیں۔ اگر تم نے آج اُس کی رضا خریدلی تو کل جنت کے قصر تمہاری ہی آرزوں کا مرکز ہوں گے۔ آج جو پُرارمان تمہاری تمنّاؤں کو اپنے ساتھ لئے جارہے ہیں۔ کل حوران جناں سے اُن کی شادی کا سماں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ اور وہی مسرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ درآنحالیکہ آج کے صدمات آج کا دن اپنے ساتھ ختم کردیگا"

اب شہید کا راہوار اپنی منزل اقصیٰ پر پہنچ گیا تھا۔ حضرت نے بیٹے اور اپنے بھائی کی معیت میں بھتیجے کی لاش اتاری اور صف ماتم بچھانے کا حکم کیا

سرا پردۂ عصمت میں کہرام بپا ہوا۔ آپ نے آہستہ لاش اٹھائی۔ اور فرمایا "پروردگار عالم اس دنیائے ناپائیدار میں اگر ہم سے نصرت مفقود ہو گئی ہے تو آخرت میں ہمارے لئے اس کو ذخیرہ بنا کہ وہاں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ اور قوم ظالمین سے ہمارا انتقام لے"

ماں کا حسرت بھرا دل غریب بیوہ کو آخر پُر ارمان کی لاش کے قریب لے آیا۔ جس کی مشتاق آنکھوں نے دیکھا کہ عمامے کی پیچ کٹ کر سہرے کی لڑیاں بن گئے ہیں۔ خونِ تازہ چہرہ پر غازہ کا اور ہاتھوں میں مہندی کا کام دے رہا ہے۔ اور عروسِ مرگ سے وہ خلوت ہے، جس نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا ہے۔ دنیا والو! اگر یہی ارمان کسی ناکتخدا کو دولہا بنا دیتے ہیں۔ اور یہی خیال تمہیں قاسمؑ بن حسنؑ کو دولہا کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ تو آؤ بد نصیب کوکھ جلی ماں کے ساتھ ہم بھی" ہے ہے بنے قاسمؑ" کہکر ماتم میں شریک ہوں حالانکہ اس مظلومہ پر یہ بہتان ہوگا کیونکہ اس کی زبان سے یہ لفظ کبھی نہیں نکلے۔ بلکہ اس نے تو امام کے امر بالصبر فرمانے پر وہ عمل کیا جو دنیا کی کوئی ماں نہ اسوقت تک کر سکی تھی اور نہ اس کے بعد کسی کو نصیب ہوا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ محبت مادری سے بے چین ہو کر تین مرتبہ قاسم۔ قاسم بیٹا قاسم!!! کہہ کر ان کے خون بھرے رخساروں پر اپنا منہ رکھدیا۔ اور دل کا دھواں دل میں گھٹ جانے سے ایک پچھاڑ کھائی اور بے ہوش ہو کر بیٹے کی لاش پر گر پڑیں۔

ماں بیٹے کی ملاقات عالم ارواح میں جس طرح ہوئی ہو وہ تو وہ جانیں لیکن دونوں خاموش ہیں ایک کے لبوں پر موت کا سکوت ہے اور

ایک کے ہونٹ عش نے سی دیئے ہیں۔ مگر محویت اور یکسانیت کا یہ عالم ہے کہ زندہ اور مردہ میں تمیز نہیں۔ مگر معاذ اللہ مردہ کون ہے؟ وہ تو زندہ جاوید ہے۔ اپنے دادا کے ساتھ جام کوثر پی رہا ہے اور عِندَ رَبِّھِم یُرزَقُونَ ہ میں شامل ہے۔

چمنستانِ محمدؐ کا دسواں پھول

عبداللہ الاکبر ابن حسنؑ

امام علیہ السلام اپنے پُر ارمان بھتیجے کی صفِ ماتم سے اٹھے اور باہر تشریف لائے اور اپنے عقب سے قاسمؑ کے بھائی عبداللہ الاکبر ابن حسنؑ کو آتے دیکھا امام حسنؑ کا یہ شہزادہ سن وسال میں قاسمؑ سے زیادہ تھا۔ لیکن میدان مقاتلت میں چھوٹے نے سبقت حاصل کی۔ ان کے نام نامی کے ساتھ مورخین نے اکبر کا اضافہ اس لئے فرمایا ہے کہ عبداللہ الاصغر ان ہی کے چھوٹے بھائی اور اولادِ حسنؑ میں سب سے چھوٹے فرزند سب کے بعد اپنے چچا پر نثار ہوئے۔ جن کا ذکر اس موقعہ پر انشاء اللہ آئیگا۔

طلبِ اذن جناب عبداللہ اکبر کی نظر اب نقشِ قدمِ امام پر تھی۔ اور چشمِ امامت عبداللہ کا انجام کار رخصرِ شہادت

میں دیکھ رہی تھی۔ یہانتک کہ مظلوم کربلا نے داخل ہونے کے لیئے اپنے خیمہ کا پردہ اٹھایا اور اس مجاہد نے بڑھکر اپنے چچا کا دامن پکڑ لیا۔ جو گویا اس امر کا اشارہ تھا کہ آپ کا دامن پکڑ کر صراطِ شہادت سے گذرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے مڑکر عبداللہ کا متمنی چہرہ دیکھا۔ اور فرمایا "بیٹا جلدی کیا ہے؟ باری باری جامِ شہادت سب پی رہے ہیں۔ پیاس کی سختیاں تو صرف آخر وقت تک حسینؑ کو اٹھانی ہیں۔ تم تو حسنؑ کے شیر ہو۔ فوجیں بہم ہوکر تم کو اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتیں بے دست و پا چچا تم کو کیا روکے گا اچھا! سدھارو۔ تم بھی اپنے فراق کا خنجر چچا کے کلیجے میں مارو" روتے ہوئے سینے سے لگایا اور رخصت کیا۔

جناب عبداللہ کا چہرہ جوش شجاعت اور وفور خون شہادت سے تمتمانے لگا۔ سوار ہوتے ہوئے دوڑ کر چچا اور امام کی نعلین کو بوسہ دیا۔ اور دستِ ادب جوڑ کر بولے "۔ قاسمؑ کی طرح میری لاش پر بھی تشریف لائیے گا!" امام بولے" بیٹا میں تو حُر تک کی لاش پر پہنچا ہوں۔ تم تو کلیجے کے ٹکڑے ہو"

موت کی تمنّا اور یقین کرنے اور رکھنے والا مجاہد دم کے دم میں گھوڑا دوڑا کر فوج اعدار کے سامنے کھڑا تھا۔ شجاعت اور حقیقی بلکہ لامثال شجاعت کے سر پر ان ہی ساونتوں کے ہاتھ نے عزت کا تاج رکھا تھا۔ جن کو یہ یقین کامل تھا کہ اب کسی طرح جان نہیں بچے گی۔ لیکن جب میدان میں آتے ہیں تو ہراس کا شائبہ ان کی کسی حرکت سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور ان کی ہمت کی پیشانی پر چین نہیں آتی۔ چنانچہ یہ شہزادہ اپنی موت کا گویا اپنے چچا تک کو لاش پر آنے کی دعوت دیکر یقین دلا آیا تھا لیکن الفاظِ

رجز پڑھے۔ اور خدارا انصاف کیجیے کہ کبھی کسی اور فاتح کے الفاظ میں بھی یہ بوئے شجاعت آتی ہے جو ان مرنے والوں کے الفاظ میں موجود ہے۔

رجز "تم اگر میرا انکار بھی کرو تو بھی میری تلوار منوائے گی کہ میں حیدرِ کرارؑ کی اولاد میں ایک شیر اور حملہ کرنے والا شیرِ ببر ہوں دشمنوں میرا حملہ آندھی اور جھکڑ کی طرح وارد ہوتا ہے۔ اور یاد رکھنا کہ تلوار کی میزان پر تمہاری بہادری کا پیمانہ ابھی ابھی تولے دیتا ہوں۔ ہمارے گھرانے کے دس دس برس کے بچے آج عرب و روم و مصر و شام کے چنندہ بہادروں کے چہرے ضربِ حیدری کے پرتو سے کاٹ گئے۔ تو میں جو کچھ تمہارے لیے لے کر آیا ہوں اس کا اندازہ ابھی سے کر لو اس لئے کہ میں عمر میں ان سے زائد ہوں"

حملہ یہ کہہ کر حسنؑ کے شیر نے پہلا گراں حملہ قلب لشکر پر کیا جہاں اگرچہ یمین و یسار سے کمک پہنچنے کی بہت قوی امید ہوتی ہے۔ لیکن صف شکن بہادر کی بجلی اس طرح قلب لشکر میں ڈوب کر بیک دم زدن پشت لشکر پر نظر آئی کہ یمین و یسار کے دَل بادل آپس میں ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ پھر یہ شیر ادھر سے ادھر آ کر روباہ صفت لشکر کے مقابل ہوا اور للکار کر کہا "شرم کرو۔ لعنت کے پتلو! کچھ تو شرم کرو۔ ڈگڈگا ڈگڈگا کر پانی پی رہے ہو۔ سیر ہو کر شکم پُر کر چکے ہو۔ حصولِ انعام کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکلے ہو۔ اور ان بھوکے پیاسوں سے لڑ رہے ہو۔ جو محض خدا کی راہ میں سر کٹانے آئے ہیں۔ اس پر بھی ایک اور تنہا کے سامنے تمہاری فوجیں گھونگھٹ کھائے جا رہی ہیں۔ حالانکہ ابھی صرف دو چار علیؑ کے نواسوں اور پوتوں سے دوچار ہوئے ہو۔ اُسوقت کا کیا

انتظام سوچا ہے جب خود علیٔ مرتضیٰ کے پانچ شیر معہ عباس علیؑ میدانِ جنگ میں آئیں گے۔ بدبختو! ایسا امام عادل کہاں پاؤ گے۔ جواب تک تمہیں نانا کی امت سمجھ رہا ہے اور باوجود ایسے شیرانِ ببر قابو میں رکھنے کے ایک ایک کو شہید ہونے کیلئے پروانۂ راہ داری عطا کر رہا ہے۔ تم ہی انصاف سے کہو کہ اگر اب بھی بقیۃ السیف سات آٹھ جوان اکبارگی تم پر حملہ کی اجازت پالیں تو تم میں سے کسی ایک کا چہرہ پھر کبھی چشم فلک کو روئے زمین پر دیکھنا نصیب ہو سکتا ہے؟"

یہ سُنکر بے حیا لشکر پر سناٹا سا چھا گیا لیکن حیا سوز بے غیرتی کا پُتلا۔ شمر ذی الجوشن آگے بڑھ کر بولا "عباسؑ اور حسینؑ کو بھی دیکھا جائے گا تم تو اپنی جنگ ختم کرو" حسنؑ کے شیر نے اپنے عموئے نامدار اور حضرت امام علیہ السلام کے اسمائے گرامی کو اس توہین آمیز لہجہ میں سنا تو اس ملعون کی طرف گھوڑا اٹھایا۔ لیکن وہ روسیاہ کون سی سبھی یا نسبی عزت رکھتا تھا جس کے ضائع ہونے کے خوف میں ٹھہرتا۔ اِس قدر بے تحاشا بھاگا کہ طناب خیمہ سے الجھ کر اوندھے منہ جا پڑا۔ اگر ہانی خضرمی۔ حرملہ اسدی۔ اور ابن عقبہ الغنوی وغیرہ وغیرہ چند بدمعاش اس غازی کے آڑے نہ آجاتے تو وہ ملعون اپنی گستاخی کا نتیجہ ایک آنِ واحد میں دیکھ لیتا۔ لیکن اس حرامزادے کی رسّی جس بے ادبی کے لئے دراز ہوتی تھی ہو کر رہی اور وہ لپنے گرنے سے ذرا خجل سا ہو کر خیمہ میں گھس گیا۔ اور اُدھر بہادر کی تلوار ٹوکنے والوں سے چل گئی۔ اِس پر بھی چودہ سواروں اور نصف تعداد پیادوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر شہزادہ ذرا دم لینا چاہتا تھا کہ ہانی ابن ثبیت خضرمی نے پس پشت سے چھپ

ایک تیر اس طرح مارا کہ پشت سے سینے میں در آیا۔ ہر چند بہادر یَا عَلِیُّ اَدْرِکْنِیْ کہکر سنبھلنا چاہتا تھا کہ عبداللہ بن عقبہ نے تیوراتے ہوئے مجروح کی پیشانی پر ایک ضرب کاری لگائی کہ جس کے اثر سے گھوڑے پر سنبھلنا ناممکن ہوگیا۔ اور دست بقبضہ سپاہی اُسی طرح تلوار علم کئے زمین پر گرکر لوٹنے لگا۔ امام علیہ السلام نے علیؑ کے پکارنے کی آواز پہلے ہی سن لی تھی۔ گھوڑا اوڑا کر لاش پر پہنچے تو دیکھا کہ خون سے چہرہ لال ہے۔ اور تیر کے درد سے مجاہد تڑپ رہا ہے۔ گھوڑے سے کود کر آواز دی "بیٹا! علیؑ کو تم نے پکارا تھا وہ بھی سرہانے جام کوثر لئے کھڑے ہیں اور ان کا خادم بھی ان کی نیابت میں ایفائے عہد کو حاضر ہے" یہ فرما کر سینے کی طرف سے تیر کی بھال کھینچی ساتھ ہی خون کا فوارہ چھوٹا جو موت کا پیغام تھا۔ یہ حالت دیکھکر امام علیہ السلام نے سر زانو پر رکھا اور تلوار کا قبضہ ہاتھ سے لینا چاہا۔ لیکن موت کے تشنج نے گرفت کو اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ علیحدگی دشوار نظر آتی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا "بیٹا اب تو تلوار چھوڑ دو۔ تمہاری بہادری کے افسانے اب تو قیامت تک مشہور رہیں گے" یہ گویا آخری فرمان تھا جو امام کی زبان سے مجاہد نے نزع میں سنا۔ تعمیل ارشاد میں رگوں نے فوراً گرفت کو ڈھیلا کر دیا اور یہ مجروح سپاہی تلوار ٹیک کر دادا کی خدمت میں جامِ کوثر پینے چلا گیا۔ امام اِس درد سے چلائے کہ تمام صحرا کے سناٹوں میں جنّ وانس کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ مگر لشکرِ اعداء کا ایک حیوانی گروہ تھا جو اس وقت بھی ہنس رہا تھا۔ واقعات کربلا پر آج بھی اسی تماشے میں دو گروہ ملیں گے جن میں سے اپنی اپنی تقلید کی بنا پر ایک کو حسینیؑ اور دوسرے کو یزیدیؔ کہا جاتا ہے۔

امام علیہ السلام دوسرے بھتیجے کی لاش گنج شہیداں میں لٹاکر در خیمہ پر آئے تو تیسرے بھتیجے کو موت کی راہ میں مردانہ وار قدم اٹھاتے دیکھا۔

چمنستان محمدؐ کا

گیارہواں پھول

احمد ابن حسنؑ اپنے بھائیوں میں اپنے باپ کی تصویر تھے۔ ان کو دیکھکر مظلوم کربلا بھائی کی زیارت کا لطف لے لیا کرتے تھے۔ قدرت نے جتنے بزرگوں کو خامس آلِ عبا سے جدا کرلیا تھا۔ اتنی ہی تصویریں حسینؑ کو عطا فرمادی تھیں کہ جب کسی کا ہجر ستائے تو ایک نگاہِ تعمق ایک چہرے میں ہُوبہُو وہی نقشہ پیش کردے۔ حبیب کا وصال محبوب سے ہوا تو علیؑ اکبر سا ہمشبیہ پیغمبر بیٹا عنایت کیا، ماں کا فراق ہوا تو زینبؑ سی ہم صورت وہم سیرۃ بہن کا انتظام کر رکھا، بابا کا سر شگافتہ ہوا تو عباسؑ سا قوت بازو علیؑ کی تصویر موجود تھی۔ حسنؑ کے فراق پر احمد ابن حسنؑ کو بھائی کی طرح قرار جان پایا۔ اللہ اللہ اب یہی تصویر اپنے مٹنے کی آرزو میں آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ کلیجوں پر ہاتھ رکھکر اہلِ دل انصاف کریں یوں تو کوئی بھتیجا بھی آنکھوں کے دیکھتے موت کے سمندر میں نہیں ڈبویا جاتا اور اس پر وہ جو بھائی کے جمال کا نقشہ ہو؟ مگر انجام

بتا رہا ہے کہ یہاں وہ عشقِ الٰہی تھا جس نے آج کوئی چیز جوانؐ کے قابو میں رکھی عزیز ہی نہیں کی۔ چنانچہ اب واقعات روح فرسا ہوتے جاتے ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ محض الفاظ دہرائے جا رہے ہیں ورنہ بتائیے کہ روح فرسا تھے کب نہیں؟ بس معلوم یہ ہوا کہ تاریخ کماحقہ الفاظ میں لکھی ہی نہیں جا سکتی۔ اور نہ اس احاطہ کی منت کش ہونا چاہتی ہے۔

چچا بھتیجوں کا راز و نیاز

امام بھتیجے کو اپنے خیمہ میں لے گئے اور فرمایا "بیٹا! قاسم و عبداللہ کے دوہرے دوہرے داغ کیا مجھ مجروح قلب کے لئے کم ہیں۔ جو تم اپنا داغ فراق بھی مایوس اور بے بس چچا کے کلیجہ پر لگانا چاہتے ہو، بیٹا! تمہیں دیکھ کر تو میں بھائی حسن کی زیارت کر لیا کرتا تھا" احمد خاموش تصویر نہ تھے کہ چچا کا کلیجہ خاموشی سے پھٹنے دیتے۔ آہ! بولتی ہوئی تصویر تھے دست ادب جوڑ کر بولے "جب مشیت الٰہی کی تعمیل میں آپ نے ہمارے بابا کا فراق گوارا کر لیا۔ تو میں تو پھر ان کی نقل ہوں۔ وہ معصوم بھی تھے اور میں تو آپ کا گناہ گار غلام ہوں پھر کیا مجھے آپ دنیا کی ذلیل قید سے آزاد کر کے دادا کی بہشت میں بابا کے پاس جانے سے روک لیں گے آخر وہ بھی تو شدتِ ہجری سے میرے ہجر میں مبتلا ہیں"۔

ایک بچے کی زبان پر جاری ہونیوالی ہاشمی فصاحت نے امام کی آنکھوں سے کچھ محبت اور کچھ انجام غم کے آنسو موتیوں کی شکل میں ریش مبارک کے بال بال میں پرو دیئے۔ دیر تک سینے سے لگانے کے بعد فرمایا "بیٹا مجھے خاموش کر دیا۔ حسنؑ کے لعل دل خون ہے۔ کیا کروں مشیت الٰہی میں چارہ نہیں۔ بیٹا! ایسا ہی کچھ وعدہ خدا اور

نانا رسول اللہؐ سے کر لیا ہے ورنہ تم جیسے گوہر کو بھی خاک میں ملا دیتے تو جانوں!
اچھا بیٹا! اچھا سدھارو۔ حسینؑ نے چھاتی مضبوط کر لی۔ دیکھتا ہوں کہ آزمایش کی سل کتنی وزنی ہے"؟

جونہی رخصت کے الفاظ احمد ابن حسنؑ کے کانوں نے سنے۔ قدموں میں خون کی روانی تیزی سے محسوس ہونے لگی اور فوراً آپ نے امام پر سلام کر کے میدان کا رخ کیا۔ چہرے کی صباحت میں قلب کی شجاعت دمک رہی تھی۔ سولہ سال کی عمر۔ میں بھیگی ہوئی۔ بپھرے ہوئے شیر کی طرح گھوڑا اڑا کر یکہ تازِ میدانِ نبرد دم کے دم میں فوج اعدا کے روبرو ہو گیا۔ حسنِ خداداد کی چھوٹ سے میدان جگمگا رہا تھا کہ تلوار کی بجلی چمکا کر آنکھیں خیرہ کر دیں۔ اور ساتھ ہی رجز کے الفاظ سے دشمن کی فوج کو ساکت کر دیا۔

رجز اور جنگ

"ہاں! ہاں! میں علیؑ کے بیٹے اور دوسرے امام کا بیٹا ہوں۔ اس نسبت پر غور کر کے یہ بھی سن لو کہ اُس وقت تک تلوار کی ضرب لگاؤں گا۔ جب تک کُند ہو کر آری نہ ہو جائے۔ ہم اور خانۂ خدا کی قسم ہم! نبیؐ سے قرابتِ قریبہ رکھنے میں اولیٰ ہیں۔ میدان کی گھٹا ٹوپ گرد میں گھس کر نیزے کے وار کرنے کے لئے میں آپہنچا ہوں" یہ فرما کر گھوڑے کو ایڑ کی اور صاحبِ ناسخ کا بیان ہے کہ شعلہ لب شمشیر اور شہاب زبان نیزے سے میمنہ کو میسرہ پر اور میسرہ کو میمنہ پر الٹ دیا۔ اور پہلے ہی شدید حملے میں اسی نامور سواروں کو خاک وخون میں ملا دیا۔ وہ گھمسان کا رن پڑا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے میدانِ حرب کے شرارے آفتاب کی لو سے باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بغیر ایک زخم اٹھائے۔ یہ بہادر جنگ کی بھٹی اور سلاحِ جنگ کی حدت سے پسینوں میں ڈوب کر باہر

نکل آیا۔ لیکن پیاس کی شدت سے آنکھیں بے نور اور چہرہ تمتما رہا تھا۔ شہزادے نے مشکلکشا کے لعل کی طرف گھوڑا پھیرا۔ اور قریب پہنچ کر عرض کی "عم نامدار اگر حلق تر کرنے کے لئے ایک کلّی پانی مل جائے تو جگر کی بھڑکتی ہوئی آگ بھی بجھ جائے اور خدا اور رسولؐ کے دشمنوں سے ایک یادگار جنگ بھی کروں" ساقیِ کوثر کے بیٹے اور وقت کے امام نے سر نہوڑا کر کہا " بیٹا! علی اصغرؑ کی نبضیں شدتِ تشنگی سے محسوس نہیں ہوتیں۔ اور تمہارے لئے تو نانا رسولِ خدا ایسا پیالہ لئے کھڑے ہیں جس کے پینے کے بعد پھر پیاس کی ضرورت کبھی محسوس ہی نہ ہوگی۔

یہ سنتے ہی احمد بن حسنؑ گھوڑے سے کودے۔ اور امام کے قدموں کو بوسہ دیکر کہا" پیاس تو آپ کی زیارت کی تھی۔ اب پیاس کیسی؟ جب جانتا ہوں کہ جہاد اور حیاتِ جاوید کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں۔ لیجئے آپ کا غلام چلا اور دیکھئے اس حالت میں بھی موت کا پیالہ کتنے بے دینوں کو پلائے دیتا ہوں" یہ کہہ کر ایک جست کی اور بغیر لجامِ فرس لئے ایک ہاتھ سے تلوار اور دوسرے سے نیزہ ہلاتے ہوئے قلب لشکر میں جاکر دم لیا اور فرمایا ٹھہرو ٹھہرو۔ میں تو پیاسا ہوں مگر اب تم کو بھی صرف موت کا جام ہی پینے دوں گا۔ میری روح بھی اب جہاد سے سیر ہوگئی ہے اس لئے جنگ کو بھی اب دو ٹوک کئے دیتا ہوں۔ عرب کی ماؤں کی چھاتی سے دودھ پینے والے جس جس گوشے میں ہوں انھیں اسی خدا کی قسم جس پر ان کا ایمان ہے کہ جنگ کا حوصلہ جس کے دل میں ہو اب نکال لے ورنہ اس کے بعد کہ میں روئے زمین پر نہ ہوں شجاعت کی لاف زنی گیدڑ کی شیخی سے زائد باوقعت نہ ہوگی" امام زادے نے اس کے بعد انتظار کیا کہ شاید

کوئی مرد میدان نکلے۔ لیکن عرب کی شجاعت کو بٹہ لگانے والے ایسے نامرد
کمینے جمع تھے جو ہزار دو ہزار یکہ و تنہا پر ٹوٹ پڑنے کے علاوہ کچھ جانتے ہی
نہ تھے۔ آخر پیاسے شہزادے سے اب ضبط عطش ناممکن ہوگیا، تو خود ایک
دوسرا اگراں بار حملہ کر کے ساٹھ سواروں کو تہ تیغ کیا۔ اور آخرکار ۱۴۰ کا فرما
کلمہ گویوں کا قاتل اور یکہ تازِ میدانِ وغا مجاہد تیروں کی گھٹا۔ تلواروں
کے بادل اور نیزوں کے نیستان میں پھنس گیا۔ گھوڑے سے گرتے ہوئے
چچا کو پکارا۔ مگر اس قدر زخموں سے چور ہو کر گرے تھے۔ کہ امام حسینؑ کی آمد سے
قبل اپنے دادا کے ہاتھ سے جامِ کوثر پی کر سیراب ہوگئے۔ اور قصر زمردیِ حسنؑ
سبز قبا پر پہنچ کر چچا کا سلام باپ کو پہنچا دیا۔ حضرتِ امام ہمام لاش پر پہنچے
تو جسم کو سرد پایا۔ زار و قطار رو کر فرمایا۔ "بیٹا! ایسا سرد جام پیا کہ حدّت
عطش یکلخت کافور ہوگئی۔ اچھا بیٹا بھائی حسن علیہ السلام کو سلام کہنا"
بھتیجا اور سعادتمند بھتیجا پہلے ہی تعمیل کر چکا تھا۔

لاش اُٹھائی۔ مقتل میں لٹائی۔ اور کلیجہ پکڑ کے خیمے کے سامنے خاک پر
جا بیٹھے۔ صبح سے اسوقت تک یہی شغل تھا۔ انبیاء اور اوصیاء کی صفوف
آج حسینؑ کا صبر۔ حسینؑ کا تحمل۔ اور حسینؑ کے نفس مطمئنّہ کے وہ کرشمے دیکھنے
کیلئے عالمِ ارواح کا برزخی لباس پہنے ایستادہ ہیں جنھیں دیکھ دیکھکر ملائکہ
انگشت بدنداں ہیں۔ اور جن کی بنا پر پروردگار عالم کی درگاہ اور زبان
بیزبانی سے رسولؑ کے شہزادے کو نفس مطمئن کا خطاب ملنے والا ہے۔

شیر خدا کے بیٹوں کا رن

فرزندانِ عقیلؑ و عبداللہؑ و جعفرؑ و حسنؑ کے بعد اب فرزندانِ حیدرِ کرارؑ کی باری

آئی۔ یہ وہ شیر تھے جن کی رگوں میں براہ راست۔ قاتلِ مارقین و ناکثین و قاسطین۔ شیرِ خدا علیؑ مرتضیٰ کا خون بہہ رہا تھا اور جو صبح سے اس وقت تک معصوم کے محیط صبر کی بدولت دشمنانِ خدا کی دراز دستیوں پر خون پی پی کر رہ جاتے تھے۔ اب جبکہ حسنؑ کے تینوں لعل خونِ شہادت میں نہا چکے تو اولادِ امیرالمومنینؑ میں اولیتِ شہادت اور خلعتِ پُرخون حاصل کرنے کے لئے عبداللہ ابن علیؑ اپنے بھائیوں کے خیمے سے نکلے اور علمدار لشکر کو سفارش کے لئے ہمراہ لے کر مظلوم کربلا کی خدمت میں پہنچے حضرت خاک گرم پر سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ دو بھائیوں کو قریب دیکھکر سر اُٹھایا۔ عبداللہ فوراً قدمِ امام پر گر پڑے۔ اور حضرت عباسؑ نامدار نے دست بستہ عرض کیا "آقائے نامدار! جب تمام پروانے شمعِ امامت پر نثار ہونے کی سبقت حاصل کر چکے۔ اُس وقت قسمت کے بیٹوں اور امیرالمومنینؑ کے بیٹوں کی باری آئی۔ اب ان کے علاوہ چونکہ کوئی لڑنے والا باقی ہی نہیں۔ اس لئے ان کا میدان میں جانا اب بحالتِ مجبوری ضروری سمجھا جائے گا۔ اور دنیا کو کہنے کا موقع ہاتھ آئے گا۔ کہ جب شاہ کے انصار۔ اقربا۔ بھانجے بھتیجے سب کام آ چکے۔ اُسوقت میدان جنگ سے جان چرانے والے مجبوراً نکلے۔ افسوس یہ ہے کہ ان کے حوصلے، ان کی اُمنگ۔ اور ان کے جذبات پامال ہوتے ہوتے اب ناگفتہ بہ حالت پر پہنچ چکے۔ مگر امید ہے کہ آپ ان کو اب محض قربانیاں سمجھ کر ربّ الارباب کی راہ میں قبول فرمائیں گے۔"

حضرت روتے ہوئے اُٹھے۔ ایک نظر عبداللہ پر سر سے پاؤں تک ڈالی اور آہِ سرد بھر کر ایک نگاہ قوتِ بازو علمدار پر فرمائی۔ اور بولے بھائی

کی روح! بھائی کی جان!! تمہارا بھائی اِن پیش بندیوں کو جانتا ہے
تم مجھے کیا سمجھاتے ہو۔ میں تو روزازل جو کچھ وعدہ تم جیسے شیروں کو
ہاتھ سے کھونے کا کر آیا ہوں۔ اس کا عملی نتیجہ قبل از وقت دیکھ رہا ہوں
تمہارے بعد مجھ پر اور میرے بعد جو کچھ اہل بیت پر گذرے گی۔ جانِ جان!
مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ تم تو سب مجھے چھوڑ کر بابا کے پاس حوضِ کوثر
پر ابھی جا پہنچو گے۔ مگر مجھے تو ابھی قافلۂ اہلبیت کے ساتھ ساتھ
دربدر پھرنا ہے۔"

حضرت عباس دلاور اہل بیت کا نام اور انجام کار سنکر بمشکل
اپنے جذباتِ شجاعت و غم کو ضبط کر سکے اور قریب تھا کہ قلب کا خون
ہر بُنِ مُو توڑ کر باہر نکل آئے۔ لیکن امام نے اپنے بھائی کی یہ حالت دیکھکر
اپنا ہاتھ حضرت عباسؑ کے سر پر رکھا اور سینے سے لگا کر اپنے صبر کا وہ
پر توڈالا کہ اُس بہادر کے چند آنسو نکل کر آتشِ غضب کو ٹھنڈا کر گئے۔ پھر
آپ نے بات کا رخ بدل کر عبداللہ ابن علیؑ سے یوں مخاطبہ کیا "بھیّا مجھے
تم عباسؑ سے کم نہیں فرق اتنا ہے کہ وہ حاملِ علمِ احمدِؐ مختار ہیں اور یہ بار امانت
انہی کیلئے قدرت نے تفویض کیا ہے۔ اور تم تو تم۔ آج میں خود بھی اس
عہدے سے محروم ہوں۔ لیکن ہاں! بابا شیرِ خدا کی شجاعت کا حصّہ
تمہیں بھی حصہ رسد ملا ہے۔ تقدم تاخر کا ذکر کیا؟ اگر نانا رسولِ خدا سب سے
بعد عالم ظاہر میں تشریف لائے تو کیا کسی نبی یا رسولؐ اللہ سے معاذ اللہ
رتبہ میں کم رہ گئے۔ بلکہ وہ تو اشرف الانبیاء قرار پائے۔ بابا علیؑ مرتضیٰ
کی نسبت تم کو یاد تو کیا؟ مگر سُنا تو ضرور ہو گا کہ جب سب لشکر اور اصحابؓ
انصار امداد رسولؐ سے عاجز ہو جاتے تھے۔ تو خود بہ نفس نفیس میدانِ مقاتلہ

میں قدم زن ہوتے تھے۔ اور صفیں میں تو بھائی محمد حنفیہؒ اور بھائی حسنؑ کو اسوقت بھیجا جب اکثر بہادر کام آچکے تھے۔ سو اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ خاص بھروسے کے بہادر خاتمہ لشکر پر بھیجے جاتے ہیں۔

بس بھیجنے کا نام آتے ہی عبداللہ ابن علیؑ کے چہرے میں خون دوڑ گیا۔ اسی کو اجازت میدان کا حکم سمجھ کر راہوار کی طرف جست کی اور دونوں بھائیوں کو ہم کلام چھوڑ کر یہ جری میدان کی طرف ہوا ہو گیا۔

عبداللہ ابن علیؑ یہ حضرت عباسؑ نامدار کے حقیقی چھوٹے بھائی جناب ام البنین کے بطن سے تھے

ان کی والدہ ماجدہ کی عظمت کے متعلق ضمناً چند سطور ضروری ہیں، جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ نے ایک دن اپنے بھائی جناب عقیلؑ سے عرض کیا کہ آپ عرب کے نسب ناموں پر کافی نگاہ رکھتے ہیں میرے عقد کیلئے کوئی ایسی خاتون تجویز فرمائیے کہ اس سے ایک بچہ ایسا پیدا ہو جو شجاعان دہر کا سرتاج اور فارس میدانِ جہاد ہو۔ جناب عقیل نے فرمایا کہ باوجود آپ ہر طرح کا علمِ خصوصی رکھنے کے اگر مجھے شرکت مشاورت کی عزت بخشنا چاہتے ہیں تو میری رائے میں فاطمہ کلابیہ دخترِ حزام ابن خالد بن

ربیعہ بن لوی بن کعب بن عامر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کو اس امر کے لیے تجویز کیجیے۔ کہ اُس کے باپ اور اجداد سے زیادہ عرب کی سرزمین نے شجاع نہیں دیکھے۔ چنانچہ جناب امیر خیبر گیر نے یہ عقد فرمایا اور ان سے جناب عباسؑ نامدار پہلے پیدا ہوئے۔ شجاعت اور اسکے ساتھ وفا کا سہرہ الی یوم القیامۃ جن کے سر ہے۔ اس کے بعد تین بیٹے علی الترتیب عبداللہ و جعفر و عثمان پیدا ہوئے۔ اور اگرچہ شوہر بتولؑ کی اس بی بی کا نام بھی فاطمہ تھا۔ مگر ان چار صاحبزادوں کی پیدائش کے بعد ان کی کنیت ام البنین مشہور ہو گئی۔ اور یہ فرزند بھی حقیقتاً ایسے جانباز ثابت ہوئے کہ چاروں یکے بعد دیگرے فاطمہؑ بنت رسولؐ کے چاند پر میدان کربلا میں اُسوقت تک ہالہ بنے رہے۔ جب تک اُن کے جسم کی رگ رگ تلواروں سے قطع نہ کردی گئی۔ اور یہ شرف صرف ام البنین کو حاصل ہے کہ ان کے چاروں فرزند سبط رسولؐ پر نثار ہوئے اگرچہ امیر المومنینؑ کے فرزند مختلف بطون سے بیس یا اکیس تک اہلِ سیر نے لکھے ہیں اور بعض نے عمر بن علیؑ۔ ابراہیم بن علیؑ۔ عبداللہ اکبر بن علیؑ اور چند دیگر فرزندان امیر المومنینؑ کے نام بھی شہدائے کربلا میں لکھے ہیں لیکن مستند مقاتل نے علی التواتر جن کا ذکر کیا ہے ان میں چار یہ صاحبزادے معہ علمدار لشکر ہیں اور ایک عون ابن علیؑ جن کا ذکر انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔

بہرحال بنی ہاشم کا بارہواں مجاہد جس کا نام عبداللہ تھا۔ حضرت عباسؑ سے خورد اور اپنے دو باقی بھائیوں سے بڑا تھا۔ ان کا سنِ عام طور پر ۲۹ سال کا لکھا ہے۔ اور ان کی کنیت ابو محمد

بتائی گئی ہے۔ صفوفِ دشمن کے مقابل جا پہنچا نیزہ گاڑ دیا اور فرمایا۔

رجز

"ماں اور باپ دو دو طرف سے شجاعت کا خون رگوں میں رکھنے والے امام مظلوم کے غلاموں کا وہ وقت آگیا جب وفا کے جوہر ان کی تلواروں سے ظاہر ہوں گے۔ میں انکا حرِ اول ہو کر آیا ہوں۔ ہم اور فقط ہم وہ ہیں جو اپنے بابا شیرِ خدا کی خداداد طاقت کی بدولت رسولِ خدا کی برہنہ تلوار کہے جانے کے مستحق ہیں اور تم میں جس جس قوم اور نسب کے فرد شریک ہیں سب پر ہمارا حال روشن ہے ببانگ دہل سُن لو اور جواب دے سکتے ہو تو جواب دو کہ تم میں سے وہ کون ہے جسے اپنی اور عرب کی شجاعت پر ناز ہو اور جس طرح تنِ تنہا میں ہوں وہ بھی اسی طرح یکہ تازِ میدانِ وغا مقابل نکلے۔ تلوار کا جواب تلوار سے اور نیزے کا جواب نیزے سے دے۔ اگر میرے رجز کے جواب میں خاموش رہوگے تب بھی یاد رکھو کہ موت سے مفر نہیں۔ خواہ تم مستحکم قلعوں میں جا چھپو"

علیؑ کے شیر کا رجز سُن کر رَن بولنے لگا۔ لیکن دنیا کے کتے کب جان بیچ کر شیر کے مقابل آنے والے تھے۔ آخر عبداللہ ابن علیؑ نے گھوڑا اڑایا۔ اور آواز دی کہ "عمر سعد سے کہدو اپنے خیمے سے خبردار۔ عمرو ابن عبدِ وُد کے قاتل کا بیٹا تیر کی طرح تیرے خیمے پر حملہ کر کے رہے گا" یہ سننا تھا کہ لشکر میں ایک ہل چل مچ گئی۔ خیمۂ عمر سعد کے محافظ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے اور یہ شیر ژیاں قلب لشکر کو چیرتا ہوا اپنی منزل مقصود پر جا پہنچا۔ زرہ پوش لوہے کی دیواریں حرکت میں آئیں اور ایک پیاسے کی تلوار دو ہزار سواروں سے چل گئی۔ مرنے کی قسم کھائے ہوئے مجاہد

نے ۱۴۴، اور بقولے ۱۲۰ سواروں کے خون کی ندی بہادی۔ یہاں تک کہ صحن خیمہ عمر میں خون پھوٹ نکلا۔ اور اس سیہ کاری کے پتلے کو یقین ہوگیا کہ اس رَو میں آج میں بھی بہ کر رہونگا۔ پس پشت سے خیمہ چاک کرکے نکلا اور گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہونا چاہتا تھا کہ ادہر داروگیر کا شور مچا اور عبداللہ کو محاصرہ میں لے لینے کا غل بلند ہوا۔ ملعون کے کھوئے ہوئے حواس کچھ درست ہوئے اور وہ بھی خیمہ سے دور ہٹ کر اپنی محافظ فوج کو حملے کیلئے اُبھارنے لگا۔ یہاں تک کہ ہانی بن ثبیت الحضرمی نے موقعہ پاکر اپنے نیزے کی انی اس طاقت سے مجاہد کے پہلو میں ماری کہ بہادر گھوڑے پر نہ ٹھہر سکا اور گرتے ہوئے آواز دی "بھائی عباسؑ دوڑیے کہ آپ کے بھائی نے اپنے اور آپ کے آقا پر جان نثار کی۔ چاروں طرف کی فوج سمٹ کر اُسی میدان مقاتلت پر پہنچ چکی تھی۔ جہاں یہ بہادر ریتی پر لوٹ رہا تھا۔ اللہ رے وفا جس نے امامِ مظلوم کو آخری وقت بھی زحمت دینی نہ چاہی۔ مگر اللہ رے غلام نواز آقا۔ تیری مروت کہ یہ تو باپ کا خون تھے۔ تیری بندہ نوازیوں نے تو کسی سپاہی کی آواز پر بھی فروگذاشت نہیں کی۔ حضرت عباسؑ گھوڑا اُڑ کر چلے تھے کہ امام علیہ السلام بھی عقب میں روانہ ہوئے جناب عباسؑ کو تلوار برہنہ آتا دیکھکر کون تھا جو قریب لاش ٹھہرتا یا کوئی بے ادبی کرنے پاتا۔ سب نے میدان دور تک خالی کردیا۔ جناب عباسؑ گھوڑے سے کودے تو برابر کے کڑیل بھائی کو نزع کے کرب میں لوٹتے دیکھا۔ مُنہ پر مُنہ مل کر کہا "علیؑ کے شیر اب گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ماں کے دودھ کی تاثیر دکھادی اور عباسؑ کو آقائے نامدار سے سُرخرو کر گئے۔ گھبراؤ نہیں اب میں بھی عنقریب تمہارے

پاس آتا ہوں۔" امام حسینؑ بھائی کا یہ کلام سننے کے لئے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک کو تڑپتا اور ایک کا یہ تڑپانے والا کلام سُنکر حسرت کا رونا رونے لگے۔ حضرت عباسؑ نے دوڑکر قدم چومے اور عرض کی "جوان کا عالم نزع ہے اور آپ مشکل کشا کے لعل ہیں اس غریب کی مشکل آسان کیجئے کہ یتیم بھی ہے۔ اور آپ کا غلام بھی"۔ حضرت نے دوڑکر سر اپنی گود میں رکھا۔ منہ پر منہ ملا۔ اور عبداللہ نے مسکرا کر آخری ہچکی لی۔ روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی اور جسدِ بے روح کو علمدار لشکر نے گنج شہیداں میں لے جانے کے لئے اپنے گھوڑے پر ڈالا۔

چمنستانِ محمدؐ کا تیرہواں پھول

جعفر ابن علیؑ

دونوں بھائی گنج شہیداں میں بھائی کی لاش لٹا کر اپنے اپنے خیموں کی طرف چلے۔ کہ اثنائے راہ میں جعفر ابن علیؑ علمدار شاہ سے ملے۔ اور عرض کی "باپ کی جگہ بھائی! جس طرح بابا کے بعد شفقت کی گود میں آج تک پالا ہے۔ آج آخری احسان فرماکر بس امام دوجہاں سے رَن کی رضا اب مجھے دلوا دیجئے کیونکہ میں برادر عثمان بجاں برابر کو مستعجل پا رہا ہوں۔ وہ ہم سب سے چھوٹے

ہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے پہلے وہ اصرار کر کے میدان میں چلے جائیں اور مجھے بابا سے ندامت ہو۔"

اِن کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ یہ عبداللہ سے چار سال چھوٹے اور عثمان بن علیؑ سے ۴ سال بڑے تھے۔ حضرت عباسؑ نامدار نے فرمایا۔ "بھیا اگر چھوٹوں کا بڑوں سے پہلے شہید ہو جانا خجالت کا باعث ہو سکتا ہے تو پھر ہم چاروں میں سے سب سے پہلے مجھے جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ ۳۲ سال سے اس دنیائے ناپائیدار میں موجود اور تم تینوں سے بڑا ہوں اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ ایک بھائی کی ندامت تو میں برداشت کر لونگا اب تم دونوں پیشِ امام چل کر میرے لئے سفارش خواہ اذن وغا ہو۔" مظلوم کربلا نے یہ سب کچھ سُنا اور ذرا قریب ہو کر فرمایا مادر گرامی ام البنین کی نشانیو! پس و پیشِ مرگ میرے اور تمہارے اختیار میں نہیں۔ جس جس طرح محضر شہادت میں نام درج ہیں اسی طرح جانا ہو گا۔ اور یہ میں یقین رکھتا ہوں کہ باقی ایک بھی نہیں بچے گا۔" جعفر بڑھے اور عرض کی حضور ہی بہتر جانتے ہیں کہ جاں نثاری کے لئے اب میرے علاوہ کون استحقاقِ اولیٰ رکھتا ہے۔ امام نے فرمایا۔ تم! میرے شیر تم!! بیشک اب خون کا چھاپا۔ محضر پر تصدیق میں تم ہی لگاؤ گے" یہ سننا تھا کہ قلب کا خون جعفر کے چہرے میں کھنچ آیا۔ یہیں سے گھوڑے کو کاوے دینے شروع کئے۔ دونوں بھائیوں کو جھک کر سلام کیا۔ راہوار نے کنوتیاں بدلیں اور جعفر کی چتونیں حسن شجاعت دکھانے لگیں۔ دہوپ کی چادر جتنی جتنی سمٹ رہی تھی۔ مجاہد کی پرچھائیں اتنی ہی بڑھ بڑھ کر دشمنوں سے قریب اور قریب ہو رہی تھی۔ ایک منظر تھا کہ غرفوں میں حورانِ جناں کے

دل جس سے پسے جا رہے تھے۔ جاں بازوں کے یہ وہ کرشمے تھے کہ صبح ازل جس کی مشتاق تھی۔ اور شام ابد تک یہ واقعات اب تصویریں بن کر اوراق پر مزین رہیں گے۔

جعفر اس شکوہ سے لشکرِ ملاعنہ کے قریب پہنچے۔ اور معلوم کر چکے تھے کہ ہانی بن ثبیت نے ماں جائے کو قتل کیا ہے۔ اسلئے رجز میں عام مخاطبہ کے بعد اسی لعین کو مخصوص طور پر دعوت جنگ دی۔

رجز "ہاں میں جعفر ہوں علیؑ کا بیٹا اور آخری مجاہد کا بھائی۔ باپ اور نانا ہی کی شجاعت پر ناز نہیں رکھتا۔ چچا اور ماموں کی طرف سے بھی حسب و نسب آفتابِ جہاں تاب کی طرح چمک رہا ہے۔ اچھا، تم جیسے اندھوں اور بہروں کے سامنے اس کا تو ذکر ہی کیا ہے جب تم فاطمہؑ کی گود کے پالے ہی کا حق نہیں سمجھتے۔ اب صرف یہ کہنا باقی ہے کہ ہانی کہاں ہے جس کو دھوکے سے وار کرکے میرے بھائی کو شہید کرنے کا فخر ہو گا۔ در آنحالیکہ وہ گھمسان میں اٹکر سینکڑوں کو مار گیا۔ لیکن ہاں اگر تو ثبیت الحضرمی کے صحیح نطفے سے ہے تو صف سے باہر آکر مقابلہ کر ورنہ میں قسم کھا کر نکلا ہوں کہ جب تک تجھے قتل نہ کر لوں گا فوج شام کا تختہ اُلٹے جاؤں گا اور بس نہیں کرونگا۔ یہانتک کہ آفتاب کا قرص خون کی چادر میں چھپ جائے۔"

یہ اعلان سُنکر فوج میں تھرتھری پڑ گئی اور عمر سعد کو پہلا منظر یاد آگیا۔ اُس فرزند شیطان اور ابن الوقت نے دل میں سوچا کہ بنی ہاشم کا شیر اپنی قسم کو ضرور پورا کر کے رہے گا اس لئے بہتر ہے کہ ہانی کو اس شیر کے مُنہ میں دھکیل کر اُس کا غصہ فرو کیا جائے۔ یہ منصوبہ

گانٹھ کر خیمہ سے نکلا اور بگڑ کر بولا "میں عرقِ انفعال میں ڈوبا جاتا ہوں جب یہ سنتا ہوں کہ مقابل کے مبارزطلبی کی نوبت اب یہاں تک آ پہنچی ہے کہ نام بنام آواز دی جارہی ہے۔ اور یہاں وہ خاموشی طاری ہے کہ قفل خموشی کسی طرح ٹوٹتا ہی نہیں۔ اگر یہی حالت ہے تو کامیابی معلوم اور دعوائے شجاعت معلوم! ہانی کہاں ہے اس سے کہو کہ کیا جوہر شجاعت ایک عبداللہ ابن علیؑ پر کمین گاہ سے نیزہ لگا کر ختم ہوگیا۔ پرے سے نکلے اور جعفر کو اسی نیزے سے سخت کلامی کا جواب دے۔"

اب چاروں طرف سے ہانی پر آواز پڑنے لگی، وہ بوکھلایا ہوا پانی کا ایک شرابہ منہ سے لگائے نکلا۔ اگرچہ موت کا پسینہ چہرے پر تھا لیکن اس کو حدت آفتاب کا نتیجہ ثابت کرنے کے لئے خود اتار کر رومال سے منہ اور سر پونچھتا رہا۔ اور ذرا دم لے کر بولا" میری بجا آوریٔ خدمت میں کیا یہ کافی نہیں کہ علیؑ کے ایک شیر کو موت کی آغوش میں سُلا چکا۔ کیا اب اس کے یہ معنی ہیں کہ باقی ماندہ فوج حسینی سے تنہا میں ہی مقابلہ کروں اور ہمارے سب یلانِ فوج محض انعام و اکرام کا خواب دیکھنے کے۔ لئے پاؤں پھیلائے سوتے رہیں۔ اگر یہی سرگوشیاں ہو چکی ہیں۔ تو اچھا میں اس معرکے کیلئے بھی تیار ہوں۔ بشرطیکہ میرے کامیاب وظفریاب واپس ہونے پر باقی فوجیں کوفے اور شام کو واپس کر دی جائیں اور بس صرف آٹھ دس جوان چن لئے جائیں جو میری طرح ایک ایک کرکے باقی حسینیوں سے لڑیں۔ یہ کہکر شیر کا شکار اپنی فتحمندی کے خیال ناقص اور امید موہوم پر موت کے منہ میں چلا۔ تقدیر پس پردہ اس پر رو رہی تھی۔ اور وہ بظاہر زہر خند کرتا ہوا جعفر کی طرف نیزہ تانے بڑھا اور بولا" جعفر! تمہارے

بھائیؑ کا قاتل تمہاری دعوت پر آرہا ہے۔ اور وہی نیزہ لے کر آیا ہے جس سے عبداللہ کا پہلو شگافتہ کیا تھا۔ اگر تمہاری اجل میرے ہاتھ نہ ہوتی تو ہرگز تم میرا نام لے کر نہ ٹوکتے۔" یہ کہتے کہتے جعفر ابن علیؑ کے قریب آ گیا اور نیزے کا گراں بار حملہ کرکے چاہتا تھا کہ جعفرؑ کو انی پر اٹھالے کہ آپ نے اس کا وار بچا کر تلوار کی ایک ضرب ایسی لگائی کہ اس شقی ازلی کا ہاتھ اور نیزہ زمین پر جا پڑا۔ علیؑ کے شیر نے راہوار سے کود کر نیزہ اٹھالیا۔ ہانی خضرمی یہ دیکھکر لشکر کی طرف پشت پھیر کر بھاگا۔ لیکن جعفرؑ نے جست کرکے اپنے باد پا پر نشست کی اور تعاقب میں شیرانہ جھپٹ دکھا کر فراری کو جا پکڑا۔ اور اس زور سے اُسی کا نیزہ اس کی پشت پر مارا کہ انی سینہ توڑ کر پار ہوگئی۔ اسی طرح اس کو زمین پر پٹک کر نیزہ گاڑ دیا اور اس ملعون کو پھڑکتا چھوڑ کر نعرۂ تکبیر کہتے ہی جنگل کو ہلا دیا۔ پھر للکار کر کہا "حسرت دل نکل گئی مگر کلیجہ پیاس سے کباب ہے۔ اور اب ساقیِ کوثرؑ کے ہاتھ سے لبریز جام پینے کی ایک تمنا اور ہے۔ یہ کہکر بھائیؑ کے مشہد کی بُو سونگھتا ہوا شیر دائیں بائیں حملے کرتا ہوا مقام معراجِ شہادت پر جا پہنچا۔ اور فرمایا" ہاں ہاں برادرِ گرامی قدر! ماں کے دودھ اور تمہارے خون کی بُو مشام جان میں پہنچی۔ آیا! امام کا فدائی خدمت میں آیا۔ بس اسی جگہ قدم جما کر شیر کھڑا ہوگیا۔ چاروں طرف سے فوجیں دَل بادل کی طرح سمٹ آئیں اور تلواروں کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ گرد کے اُڑنے میں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ اس پر بھی اسپِ وفادارِ جعفرؑ کی سُبک خیزیاں اُس بہادر کی جرأت کے ساتھ ساتھ زندہ رہیں گی۔ جب کسی ملعون کو حملے کے لئے قریب محسوس کرتا تھا۔ تیر صفت اڑ جاتا تھا۔ اسی طرح حملے کی حسرت دل میں لئے ہوئے بیسیوں

سوار اوندھے منہ خاک پر گر گر کے پامال سمِ اسپاں ہو گئے۔ یہاں تک کہ خولی بن اصبحی نے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک تیر اٹکل پچّو کودکِ ناداں کی طرح پھینکا۔ مگر شیطان نے اس کا تیر غلط ہدفِ سینۂ بے کینۂ جعفرؑ پر پہنچا دیا۔ اور شاید سعدیؒ شیرازی رح نے اسی واقعہ کی طرف اپنے شعر میں اشارہ کیا ہو۔ بہر حال شدّتِ تشنگی میں یہی وار جام کوثر پینے کا باعث ہو گیا مَوْلَاہُ اَدْرِکْنِیْ کی آواز دی۔ لیکن حضرت عباسؑ نہیں چاہتے تھے کہ میرے بھائیوں کی لاش اٹھانے کی زحمت بھی امام عالی مقام کو ہو، اس لئے قبل از وقت گوش بر آواز تھے۔ اور اسی لئے امام سے قبل اپنے اس بھائی کی لاش پر بھی پہنچے تو دیکھا کہ بھائی کے خون میں بھائی لوٹ رہا ہے اس محبت پر شیر دل بھائی سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ گھوڑے سے کود کر منہ پر منہ رکھ دیا اور فرمایا ”بھائیوں کی اس محبت پر بھائی نثار! ام البنینؑ کے لاڈلو! سیدۂ عالمؑ کی گودی کے پالے سے مجھے بھی سرخرو کیا اور یہ تمہارا چراغِ ہستی نہیں بجھا۔ بلکہ تم غریب ماں کا نام روشن کر گئے۔“

مظلوم کربلا سرہانے کھڑے ہیں! حضرت عباسؑ کو اپنے خیال میں اس کی خبر نہ تھی۔ آخر امام نے بھائی کو بھائی کی لاش سے اٹھا کر کہا ”میرے شیر مجھے بھی بھائی سے وقتِ آخر بغلگیر ہونے دو۔ ۲۵ سال کا ساتھ چھٹتا ہے۔“ یہ کہکر حضرت نے جعفرؑ کے سینے پر منہ رکھکر کہا ”ہاں ہاں بھیّا سینۂ بے کینہ پر میری رفاقت میں تیر کھایا۔ اور اپنی مفارقت کا داغ میرے سینہ پر لگا گئے۔ کیا مادر مہربان حضرت ام البنینؑ نے اسی دن کے لئے تمہیں محنتیں کر کے پالا تھا کہ اس طرح حسینؑ پر لال سی جانیں گنوا دو۔ اچھا جو چاہو کرو حسینؑ تو آج بچتا نہیں۔ اور ایک ساعت میں تمہارے پیچھے پیچھے

آتا ہے اور سچ بھی ہے جب کے کڑیل شیر یکے بعد دیگرے چھوڑ چھوڑ کر رخصت ہوجائیں وہ بے دست وپا یکہ وتنہا۔ بے ملجا وماویٰ کہاں رہے اور کس کیلئے جیے۔"

حضرت یہ فرماہی رہے تھے کہ جعفر ابن علیؑ نے آخری سانس لیا اور قفس جسم سے مرغ روح کوثر کی طرف پرواز کرگیا۔ میری اور مومنین عالم کی روحیں اس پرواز پر نثار ہوں جس کے تخیل میں کوثر کی لہریں نظر آرہی ہیں۔

حضرت عباسؑ نے حسب دستور سابق مجاہد کی لاش گھوڑے پر ڈالی اور گنج شہیداں کی طرف سر جھکائے ہمراہ اسپ پیدل روانہ ہوئے۔

عثمان ابن علیؑ

حضرت عباسؑ نامدار کے تیسرے بھائی اور ام البنینؑ کے سب سے چھوٹے فرزند کا یہی نام ہے۔ ناموں میں کوئی عظمت یا ذلت نہیں۔ اس کا ذریعہ کام ہے۔ بعض طبیعتیں محض عبدالرحمٰن کے نام کو برا سمجھتی ہیں۔ حالانکہ رحمٰن کا بندہ ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے ایک کار ملعون کرکے اس نام کو بدنام کردیا۔ اب ایک عثمان ابن علیؑ کا نام نامی ہے کہ جو اپنے جوہر ذاتی کی وجہ سے آفتاب کامل کی طرح درخشاں ہے، اور جہاں ان کا ذکر آجائے دل اس کی طرف جھکنے لگتا ہے۔ جسوقت یہ پیدا ہوئے تو جناب امیرؑ نے اپنے ایک رشتہ کے بھائی

عثمان بن مظعون کے نامِ نامی پر ان کا نام عثمان رکھا۔ اور دنیا کو یہ بات دکھادی کہ جو نام ہم رکھ دیتے ہیں وہ اپنے مسمّیٰ کو ہمیشہ نیکی، عزت اور عظمت کے ساتھ یاد رکھنے کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے اور کوئی زبان سوائے تعریف کے اس کا ذکر نہیں کرسکتی۔

اقدام اِذن

اپنے دو بھائیوں کا خون اور والدۂ گرامی کا دودھ کربلا کی زمین پر بہتا دیکھکر عثمان ابن علیؑ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی، اُدھر اپنے بھائی اور امام کی خدمت کا جذبہ رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگا۔ حضرت عباسؑ کو گنجِ شہیداں سے واپس آتا ہوا دیکھکر اثنائے راہ میں قدمبوس ہوئے اور ہاتھ باندھ کر عرض کی "شاہِ دوعالم کے علمدار! اب اپنے آخری غلام کو بھی اپنے آقا کے گرد پھرا کر مرنے اور جان نثار کرنے کا اذن دلوائیے۔ جہاں آپ کے دو جانباز آپ کے قدموں کی بدولت خلعتِ فاخرۂ شہادت زیبِ تن کر گئے۔ وہاں ایک حُلّہ مجھے بھی عطا ہو کہ میں بھی آپ کا خادم ہوں"۔ علمدارِ شاہ نے فرمایا "کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہو۔ وہ دونوں بھی میرے شاہزادے تھے۔ اور تم بھی میری عظمت کا تاج ہو، اس لئے کہ علیؑ مرتضیٰ کے لعل ہو۔ ہاں سفارشِ اذن کا مسئلہ بیشک مجھ سے متعلق ہے۔ اور اس میں تمہیں عجلت کیوں نہ ہوگی، کہ قالعِ بابِ خیبر سے جوہرِ شجاعت میراث میں پایا ہے"!

حضوریِ امام

دونوں بھائی سر جھکائے اور قدم بڑھائے خدمتِ امام میں پہنچے۔ حضرت خود بھی چند قدم وفورِ محبت سے بڑھے اور خود سبقت کرکے فرمایا "بس کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے خشک لبوں کو جنبش دے کر اور نہ سکھائیے۔ جب کسی کو نہ روک سکا تو تمہیں کیا روکونگا

ہاں ہاں آجائیے اور کوثر پر تشنگی بجھائیے۔ یہ سنتے ہی بھائیوں کے غم میں عثمان کا زرد چہرہ اذن کی ہوائے مسرت سے گلاب کا پھول بن گیا۔ جھک کر سلام کیا اور اس قدر تیزی سے فوج اعدا کی طرف گھوڑا اُڑا کر پہنچے کہ ع

جھونکا تھا اک ہوا کا کہ سن سے نکل گیا

اور بالمقابل پہنچ کر اس طرح گویا ہوئے۔

مخاطبہ

میں عثمان ہوں اور دوہرے دوہرے جوہر شرافت و شجاعت ذات میں رکھتا ہوں۔ خدا کے آخری رسولؐ ہمارے عمِّ مکرم تھے۔ اور مجھے حسینؑ امامِ وقت جیسے آقا کی غلامی کا شرف حاصل ہے جو ہمارے رسولؐ علیؑ اور حسنؑ کے بعد بچوں، جوانوں اور بڈھوں کے سردار ہیں ہم میں سے کسی کی تلوار جب چمکی تو محض اس کی چمک نے حق اور باطل کے چہروں کو الگ الگ روشن اور بے نقاب کر دیا۔ اور اہل حق کے لئے ہماری تلوار کا بلند ہونا ہی اس امر کی دلیل قاطع ہے کہ جس کے خلاف وہ میان سے نکلی وہ گروہ دائرۂ ایمان کے باہر تھا یا باہر ہو گیا ہے اور تمہارا کفرانِ نعمت تو ظاہر ہے کہ خدا کی موجودہ حجت اور آیت کی مخالفت میں پرے جمائے کھڑے ہو۔ اور یہی نہیں کہ وہ امامِ زماں ہو بلکہ تمہارا مہمان بھی ہے۔ مہمان بھی ناخواندہ نہیں۔ تمہارا بلایا ہوا آیا ہے۔ عرب کی مہمان نوازی جو اس سنہ کی دوسری تاریخ محرم سے پہلے پہلے دنیا میں مشہور تھی۔ تمہارے ہاتھوں بدنام ہوتے ہوتے آج بدنامی کے دھبوں سے اس کا دامن سیاہ ہو گیا۔ خدا اور رسولؐ پر شاید کبھی تمہارا ایمان ہو مگر آج تو اس کا شائبہ تم میں موجود نہیں۔ زبان کی نصیحت آج تم پر کارگر نہیں تو حجت ختم کر کے ہمیں تلوار اُٹھانی پڑی۔ جب تم اپنے کفر پر جمے ہوئے ہو تو کیا ہم ایمان کی راہ میں پیچھے ہٹ

جائیں گے، اچھا ہوشیار رہو اور لشکر کا میمنہ سنبھال لو کہ اصحاب یمین میں ہونے والے کا رخ اُدھر ہی ہے۔"

جنگ یہ فرما کر ایسا گراں بار حملہ فرمایا کہ سواروں کو گھوڑوں پر نشست دو بھر ہو گئی۔ اور پیدل پس پس کر رہ گئے۔ یہاں تک کہ اسی دارو گیر کے عالم میں خولی بن یزید الاصبحی نے جو فاصلہ پر تھا، ایک تیر ایسی شصت لگا کر پھینکا، کہ جبین مبارک عثمان میں پیوست ہو گیا۔ اور اس کے صدمے سے ۲۱ سالہ مجاہد اپنے آخری لمحے کے پورا کرنے کیلئے زمین گرم پر گر کر تڑپنے لگا۔ بعض روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ قبیلۂ بنی ابان بن دارم میں سے ایک ملعون نے دوڑ کر اس بسمل زار کا سر تن سے جُدا کر لیا۔ اگرچہ قوم ظلوم وجہول کی شقاوت وقساوت قلبی سے تو یہ امر ناقابل قیاس نہیں — لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ امام ہمام کی زندگی میں کسی شہید کو بے سر کرنے کی جرأت روباہ صفت لشکر سے نہیں ہو سکی۔ کیونکہ خود امام علیہ السلام یا حضرت عباسؑ فوراً صدائے ادرکنی پر لبیک کہتے تھے اور پھر کسی کو سوائے بھاگنے کے اپنے ہی سر و پا کا ہوش نہیں رہتا تھا دوسرے کا سر تو کیا اُتار سکتا لیکن ہاں جب امامِ ہمامِ وقت کا سر جسم سے علیحدہ کر لیا گیا تو بنی ہاشم کے ہر شہید کو سر وبالِ دوش ہوا۔ اور تقلیدِ امام لازم ہو گئی۔ اب عثمان نے بھی بجائے امام کے اپنے حقیقی بھائی اور علمدار لشکر کو آواز دی۔ چنانچہ جناب عباسؑ شیر ژیاں کی طرح جھپٹے۔ اور بھائی کی لاش پر پہنچکر عثمان کے جسدِ بے روح کو خاک وخون میں غلطاں پایا۔

یہ حسرتناک منظر تھا کہ بھائی آخری بات بھی بھائی سے نہ کر سکا۔ یہانتک کہ مظلوم کربلا بھی تشریف لائے۔ اور حضرت عباسؑ کو اس حسرت پر مضطرب

پاکر فرمایا "بھائی عباس! تم سے اور مجھ سے پہلے بابا علیِ مرتضیٰ پہنچ گئے تھے۔ اب اس لیے عثمان کو ہماری کیا پرواتھی۔ اُن ہی کے ہمراہ وہ روضۂ رضواں کی سیر کو تشریف لے گئے۔ اب روح وہاں جام کوثر سے سیراب ہو رہی ہے اور جسم ہماری تسکین کے لئے یہاں چھوڑ گئے۔ چلیے گنج شہیداں میں لے چلیے کہ دو شیروں کے پہلو اپنے شیر کو ڈھونڈ رہے ہیں"

دونوں بھائیوں نے جوان کی لاش گھوڑے پر ڈالی۔ کلمۂ ترجیع کے ساتھ کلمۂ شکر زبان پر ہے کہ کڑیل کی لاش کا سہارا دینے والا قوتِ بازو مدد کو ہمراہ ہے۔ مگر دل خون کرنے والا واقعہ قریب پیش نظر آرہا ہے۔ خونِ دل کھنچ کھنچ کر حلقۂ چشم تک آتا ہے۔ مگر امام پھر کسی وقت کے لئے اُسے ودیعتِ قلب فرمادیتے ہیں۔

عونؑ ابن علیؑ

یہ جناب اسماء بنت عمیس جیسی بی بی کے بطن مبارک سے تھے۔ جنھیں یہ شرف حاصل تھا کہ جو بچہ ان سے پیدا ہوا۔ کوئی نہ کوئی شرفِ خصوصی اس کی ذات سے وابستہ رہا۔ سب سے پہلی شادی اِن معظمہ کی جعفر بن ابی طالبؑ حضرت امیرالمومنینؑ کے بھائی سے ہوئی۔ جعفر طیارؓ سا شوہر اور اسماء بنت عمیس جیسی نیک بی بی سے جنابِ

عبداللہ پیدا ہوئے۔ جن کا شرف اس سے زائد کیا ہوگا کہ اگر فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ کے لئے علیؑ کو قدرت نے منتخب کیا تھا تو ثانی زہراؑ جناب زینب کے لئے عین اللہ نے ان ہی عبداللہ کو چھانٹا۔ جناب جعفر طیارؓ کو جب قدرت نے زبرجد سبز کے دو پر عطا کر دیئے تو اسماء بنت عمیس کو سوز بیوگی سے پالا پڑا۔ لیکن چونکہ ازدواجِ بیوگان سنت نبویؐ میں شامل تھا اسلئے ان کے اعزا کو بھی اس بیوہ کی فکر ہوئی۔ لیکن قرعۂ فال ابوبکر بن قحافہ کے نام نکلا۔ اور یہ معظمہ ام المومنین کی ماں بن گئیں۔ مسبب الاسباب کی مشیت کا منکر کافر ہے اور بندہ مؤلف حقیر کا خیال ناقص تو یہاں بھی اس کی قدرت کے وہ کرشمے دیکھ رہا ہے کہ دل مسرت سے پُر ہے۔ اسکے علاوہ جو اور راز ہو وہ وہی جانے جسکا راز ہے۔ بایںہمہ اتنا ظاہر ہے کہ محمدؓ بن ابی بکر پیدا ہوئے جن کے کارنامے صفحاتِ تاریخ سے مٹنے ممکن نہیں۔ جمل کی صفیں الی یوم القیامۃ اس مومنِ پاکباز کے ایمان کی شہادت دیں گی کہ ایک طرف باپ کی بیٹی تھی اور دوسری طرف ماں کا شوہر۔ لیکن ایمان شناس نگاہ نے تاڑ لیا تھا کہ ایمان کدھر ہے۔ بس اُسی صف میں ثبات کے قدم گاڑ دیئے۔ اور جب تک جنبش نہ ہوئی جب تک امام وقت نے خود پیغامبر بنا کر نہ بھیجدیا۔ یہ سب شرف اسماءؓ کے بطن مبارک کی بدولت پائے تھے۔ ورنہ مشترک نطفے کی اولادیں اور بھی تھیں لیکن تاریخ عالم کی زبان گنگ ہے۔ افقہ النّاس مفتی محمد عباس اعلی اللہ مقامہ کی یاد اس ذکر کے ساتھ تازہ ہوتی ہے۔ اور عنانِ قلم کو کھینچ رہی ہے کہ لکھ ؎

محمد ابن ابی بکر ہو گئے مقبول
. . . . سے پیدا ہوا گُلاب کا پھول

اسماء بنت عمیس کے لئے یہ عالم برزخی پھر بدلا۔ ابوبکر بن قحافہ کا وصال موت سے ہوا۔ اور یہ معظمہ حبالۂ نکاح حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ میں آئیں۔ پہلی شادی بھی حضرت ابوطالبؑ پرورش کنندۂ رسولؐ کے فرزند سے ہوئی اور آخری عمر بھی ان ہی کے شیر کی خدمت میں بسر کی۔ کیا کہنے جس کا آغاز و انجام ایسا ہو۔ ان کے بطن سے یہاں امیرالمومنینؑ کا جوہر شجاعت لے کر حضرت عون ابن علیؑ پیدا ہوئے۔ جن کی شرافت پر یہی مُہر کیا کم ہے کہ اپنا خون پسرِ فاطمہؑ کے قدموں پہ بہا دیا۔ اور اسی کی پیشبندی میں اس وقت حسین ابن علیؑ کے قدموں پر سر رکھے بیٹھے ہیں، اور اذن طلب کر رہے ہیں۔

اذن جنگ

امام ہمام علیہ السلام نے بجواب آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا:۔ "بھیا بہادری کے جوہر جس طرح تمہاری پیشانی سے چمک رہے ہیں وہ آج میں خصوصیت سے دیکھ رہا ہوں لیکن انبوہِ لشکر سے تن تنہا لڑ کر کوئی واپس نہیں آیا۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ مبارز طلب کرکے ایک سے ایک لڑو۔" عون ابن علیؑ نے کہا مولا! جاں بازی اور جاں نثاری کی ہوس جس سر میں بھری ہوئی ہو اس میں قلت و کثرتِ لشکر کی فکر کہاں سما سکتی ہے اب تو صرف ایک دُھن ہے اور وہ یہ کہ آج کی جنگ کا فسانہ شامِ ابد تک کے لئے چھوڑ کر آپ پر نثار ہوں" حضرت دیر تک سینے سے لگائے ہوئے روتے رہے۔ کہ حضرت عباسؑ کے علاوہ یہ آخری بھائی میدان میں جا رہا تھا اس کے بعد اُٹھے اور چند قدم مشایعت فرما کر اذن عطا فرمایا۔

یکہ تازِ شجاعت کی جنگ

صاحب روضۃ الاحباب نے جو علمائے جلیلۂ اہل سنت سے ہیں اور صحتِ روایات کے لئے شہرتِ تام رکھتے ہیں اُن کی شجاعت کی مخصوص

تعریف کی ہے جو چند سطور کے بعد پیش نظر ہوگی۔ اس یکہ تازِ شجاعت نے صفوف اعدار کے سامنے جا کر اپنے کلام سے ہیبت پیدا کردی اور فرمایا "جو وقت گذر رہا ہے وہ ہمارے لئے تو جیسا ہے۔ ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہاری موت کا پیغام بھی زیادہ سخت وصعب آرہا ہے۔ میرے بعد کے آنیوالے تو جو قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ کے مناظر تمہارے سامنے پیش کریں گے وہ میں حوضِ کوثر سے دیکھوں گا۔ لیکن یہ جتائے دیتا ہوں کہ صبح سے اسوقت تک جو نہیں دیکھا تھا وہ دکھانے کیلئے عون ابن علیؑ آپہنچا ہے۔"

یہ فرما کر گھوڑا اُڑایا اور صاحب روضتہ الاحباب کا بیان ہے جسے میں صاحب ناسخ کی سند سے لکھتا ہوں کہ عونؑ قلب لشکر میں گھس گئے۔ یمین اور شمال، میمنہ اور میسرہ فوج کو ہر طرف سے درہم برہم کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تمام لشکر عمر کا شیرازہ پراگندہ ہوگیا۔ کشتوں کے پشتے ہر چہار طرف نظر آرہے تھے اور روباہ صفت شیر کی بُو سے بھاگ رہے تھے۔ آہن پوش دو ہزار سواروں کی ایک دیوار نے اسی حالت میں عون ابن علیؑ کا احاطہ کرلیا۔ لیکن بہادر نے للکار کر کہا "تمہارے اس حصار کی کڑیاں میری تلوار کی باڑ ابھی کاٹ کر رکھ دیگی اور جتائے دیتا ہوں کہ یہ نظر فریب قلعہ جنبشِ ہوائے تیغ سے توڑ کر میں زیارتِ امام کیلئے پھر اُن کے قدموں میں پہنچتا ہوں"

یہ فرما کر وہ تلوار کی کہ سیاہ دیوارِ آہن سے سرخ خون کی ندی بہ گئی اور یہ شیر ایک طرف سے صاف تیر کی طرح نکل کر خدمتِ امام میں پہنچ گیا۔ امامِ ہمام علیہ السلام نے سر و رخ کا بوسہ لیا اور دست و بازوئے عون جری کی تعریف زبان امامت سے فرما کر ان کی شجاعت کے دیباچہ کو اپنی مُہر ثنا سے مزیّن فرمایا۔ اور کہا "جنگ بھی خوب کی اور تین دن کی بھوک میں زخم بھی خوب

کھائے۔ اب کچھ دیر آرام لو کہ جنگ کا تعب بہت اٹھائے ہوئے آئے ہو" عونؑ نے قدموں پر جھک کر عرض کی:۔

"آقا بس صرف تشنگی دیدہی اسوقت آخری مرتبہ پھر غالب تھی۔ الللہ الحمد کہ اس حسرت پر بھی فائز ہوا۔ اس سے زائد مناسب نہیں کہ قیام کروں۔ کیونکہ اس کے بعد اب التوا جنگ سے پُشت پھیرنے میں شمار ہوگا۔ بس اب تو وہ رخصت عنایت کیجئے جسے موت کیلئے رخصت کہیں اور پہلا اذن تو جنگ کی اجازت تھی مظلوم کربلا نے فرمایا کہ" بھیا! راہوار تو بدل لو کہ کثرتِ جراحت سے اس کی رفتار میں سستی آگئی ہے۔ اور ایسی سخت جنگ کا تعب اس پر ظاہر ہے" جناب عون ابن علیؑ نے گھوڑا بدلا اور میدان کا رُخ کیا۔

صالح بن سیار سے جنگ

لشکر عمر میں جس قسم کے بدمعاش جمع تھے۔ اس کا اندازہ بادی النظر میں اس واقعہ سے کچھ ہو جائیگا جو صالح کی جنگ کا پیش خیمہ ہے یہ سیار کا بیٹا تھا اور برعکسِ افعال صالح نام رکھتا تھا۔ زمانۂ حضرت امیر المومنینؑ میں یہ بدقماش شرابخواری کی علت میں ماخوذ ہو کر جناب امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔ امام عادل نے حدِ خمر جاری کرتے ہوئے اپنے صاحبزادے اور اسی مجاہد عون کو حد جاری کرنیکا حکم دیا۔ پشت پر اُس دن کے تازیانے کھائے ہُوا یہ کینہ کوش اور مردودِ ازلی دیر سے عون پر نگاہ جمائے ہوئے تھا کہ کوئی موقعہ ملے تو وار کرکے دل کا بخار نکالوں لیکن ناعاقبت بین کو کیا خبر تھی کہ یہ موت کا بخار اب قبر میں جاکر اُترے گا۔ جناب عون کو دوبارہ میدان میں آتا دیکھکر صالح کے سر پر موت کا بھوت سوار ہوا اور وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر سدِّ راہ ہوگیا اور کہا" باپ کی حکومت میں میری پشت پر کوڑے تم نے ہی تو لگائے تھے لیکن اب وقت آگیا کہ تلوار کے کوڑے سے بدلا لیا جائے" اس کے بعد کے الفاظ ابھی ملعون

کے دہن میں تھے کہ عون جیسے جری نے نیزہ سے زبان سی دی اور وہ فرش پر پھڑکنے لگا۔ جناب عون نے فرمایا" وہ سزا زمانہ علیؑ کی تھی جو آج تک تجھے یاد ہے اور یہ امام وقت حسینؑ کے عہد کی سزا ہے۔ جو دوزخ کے تعب میں بھی فراموش نہ ہوگی یہ فرما کر دستِ حق پرست کو ایک جھٹکا دیا کہ وہ ملعون درد کی شدت سے چلاتا ہوا زمین پر گرا آپ نے گرتے گرتے نیزہ چھوڑ کر ایک تلوار ایسی ماری کہ صالح کا قصہ پاک ہوگیا۔ اگرچہ خود وہ مجسم ناپاک تھا۔

بدر بن سیار سے جنگ

عون جری کے ہاتھوں جب سینکڑوں زندگیاں ہلاکت کو پہنچ چکی تھیں، تو اکا دکا سپاہی کس گنتی میں تھا۔ لیکن چونکہ سیار کے دوسرے بیٹے بدر کی ہستی کو بھی آج گہن لگنا تھا۔ اسلئے یہ سیاہ رو بھی بھائی کے انتقام میں بل کھاتا ہوا سامنے آپہنچا اور کہا" صالح اپنے بھائی کا انتقام لینے آیا ہوں اور میں بدر ہوں" آپ نے فرمایا تیرے باپ سیاہی کو جب قرار نہ تھا تو یاد رکھ کہ تیرے کمال کا زوال بھی سر پہ آپہونچا۔ آ۔ موت کے شکار آ۔ کہ تیرے شرابی بھائی کے پاس تجھے بھی جلد پہنچا دوں تاکہ مفارقت کی کڑی کٹ جائے۔"

بدر نے یہ سنتے ہی بہت چمک کر حملہ کیا۔ لیکن صاحب شق القمر کے نواسے کا مجاہد اس کا کیا اثر لیتا۔ تلوار کا ہاتھ بلند کر کے بدر کا سر سینے تک شگاف کر دیا اور وہ ملعون بھی اپنے بھائی کی طرح خاک گمنامی میں ہمیشہ کیلئے چھپ گیا۔

عام حملہ اور شہادت

اگرچہ عون ابن علیؑ نے صالح و بدر کو بھنگوں کی طرح چٹکی میں مسل دیا لیکن اپنی فوج میں یہ نامور بہادر محض حسینؑ ابن علیؑ سے لڑنے کیلئے بلائے گئے تھے لیکن اُن کوتاہ نظروں کو کیا خبر تھی کہ علیؑ کا یہ بیٹا حسینؑ و عباسؑ کی طرح شجاعت میراث میں پائے ہوئے ہے

تھوڑی دیر تک بپھرا ہوا شیر مزید شکار کا انتظار کرتا رہا لیکن صالح و سیار کے قتل سے تمام لشکر میں سناٹا چھا گیا اور کسی کو تنہا مقابلہ کی جراٴت نہ ہوئی ۔ بالآخر ایک بھوکے پیاسے پر کئی سو سواروں نے ایک دل و جان ہو کر حملہ کر دیا۔ عون ابن علیؑ نے بھی ٹھاٹھ بدلا۔ اور گھرے ہوئے بادل میں ان کی تلوار کی بجلی پھر چمکنے اور خون کا مینہ برسانے لگی۔ اس حملہ میں بھی آپ نے کئی سو شامیوں کو تہِ تیغ کیا۔ خالد بن طلحی ملعون نے فرصت پا کر اس حالت میں کمین گاہ سے تلوار کا ایک وار ایسا کیا کہ آپ نیورا کر گھوڑے سے فرش زمین پر تشریف لائے اور یا اخاہ ادرکنی کی آواز بلند کی۔ مظلوم کربلا لبیک لبیک فرماتے اور گھوڑا اڑاتے پہنچے تو عون کے زخم سر سے خون ابلتے ہوئے دیکھا۔ فوراً رہوار سے اتر کر عبا کو پھاڑا۔ اور جبینِ عون پر دامن کی پٹی باندھی۔ زخمِ دامن دار سے خون کی روانی بند ہوئی تو عون ابن علیؑ نے آنکھ کھول کر اپنے امام اور بھائی پر ایک نظر ڈالی اور کہا "حضور! غلام نے حقِ نمک ادا کیا۔ اب مشکل آسان ہونے کی دعا فرمایئے۔ پیاس سے کلیجہ کباب ہے" مظلوم کربلا اپنی مجبوری پر اشکبار ہوئے اور فرمایا "بھیا! مجھ پر یہ امر شاق ہے کہ اس حالت میں تم پیاس کی تکلیف بیان کرو اور مجھ سے ایک قطرۂ آب مہیا نہ ہو سکے"

امام ہمام علیہ السلام کے قطرات اشک عون کے چہرے پر گرے ۔ جو ایک طرف اندمال زخم کا مرہم اور دوسری طرف صراطِ کوثر کا پروانہ ثابت ہوئے مجروح مجاہد نے ایک خاص خنکی محسوس کر کے ہچکی لی۔ اور گویا یہی ختمِ حیات ظاہر کا پیش خیمہ تھا۔ روح اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی ۔ اور امام منہ پر منہ رکھکر دیر تک روتے رہے۔ یہانتک کہ ہمشبیہ پیغمبرؐ اور عباسؑ دلاور نے آکر عون کی لاش کو گھوڑے پر ڈالا۔ دو بھائی اور ایک بھتیجا اشکِ غم

بہاتے گنج شہیداں کی طرف تشریف لیگئے۔ آجتک یہ شرف عون ابن علیؑ کے لئے ہے کہ ان کا مزار مبارک حضرت عباسؑ کی طرح جمیع شہداء سے علیحدہ ہے اور ان کی زیارت علیحدہ پڑھی جاتی ہے۔

چمنستانِ محمدؐ کا سولھواں پھول

عباسؑ ابن علیؑ

ابی مخنف وغیرہ بعض رُوات نے آپ کی شہادت شب عاشور کو لکھی ہے۔ لیکن یہ اتنی بڑی غلط فہمی ہے جس سے عام عقول میں وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ عمِ ابن علیؑ کے ایک حقیقی بھائی عباس ابن علیؑ بھی تھے جنھیں عباس الاصغر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور یہ میدان کربلا میں امام ہمام علیہ السلام کے ساتھ آئے تھے۔ شب عاشور کا بہشتی بریر ہمدانی جب بچوں کی پیاس سے بے چین ہو کر تلاش آب میں فرات پر پہنچا تو عباس الاصغر بھی اس کے ہمراہ تھے۔ اور اسی دار و گیر میں وہ عباس نہر فرات پر شہید ہو گئے۔ اور سبیل آب میں اپنا خون بہا گئے۔ سلسلۂ جنگ میں یہی پہلا شہید تھا جس نے نہر پر قبضہ کر کے اگرچہ اپنی جان نثار کردی لیکن پہلی مشک اطفالِ حسینؑ کیلئے بُریر کی معرفت بھیجدی یہ اور بات ہے کہ پیاسوں کی تقدیر سے پانی اٹھ چکا تھا اور مشک کا دہانہ دفعتًا کھُل جانے سے پانی کا قطرہ قطرہ بہہ گیا اور پیاسوں کا حلق تر نہ ہو سکا۔ اِس سے

اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ علیؑ ہی کے ایک بیٹے نے اپنے خون سے شہادت کا دیباچہ کربلا کے ورق پر لکھا اور علیؑ ہی کے جانشین بیٹے نے اس کتابِ شہادتِ کربلا پر اپنے خون سے تمت کی مُہر لگائی۔

کنیت و القاب حضرت عباس نامدار کا امتیازی نام عباسؑ الاکبر تھا اور کنیت مبارک ابو الفضل تھی جو اُن کے ایک صاحبزادے شہزادۂ فضل کے نام نامی کی وجہ سے تھی۔ دوسرے صاحبزادے کا نام عبیداللہ تھا۔ آپ کے القاب آپ کی خصوصیات کی وجہ سے مختلف ہیں۔

ماہِ بنی ہاشم یوں تو جوانانِ بنی ہاشم سب کے سب ہی چاند کی تصویریں تھے، لیکن آپ کا چہرہ چودہویں رات کے چاند سے اس قدر زیادہ مشابہ تھا کہ ماہ بنی ہاشم کا لقب آپ ہی کے حصہ میں آیا اور اس نام کی روشنی اس وقت تک عالم میں رہے گی۔ جب تک چاند فلک پر روشن ہے۔

علمدار یہ لقب آپ کے نام نامی سے اسقدر وابستہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے اور گروہ اُن کا نام نامی اسوقت تک مکمل نہیں سمجھتے جب تک عباسؑ کے ساتھ علمدار نہ کہیں۔ اور یہ ایسی شرافت تھی جس کی بدولت آپ حمزہؓ و جعفرؓ و علیؑ کے ہم رتبہ ہوگئے اور حقیقت یہی ہے کہ جس طرح جنابِ رسالت مآبؐ کی کمر جنابِ امیرؑ کے دم سے مضبوط تھی اسی طرح مظلومِ کربلا کی تمام ڈھارس حضرت عباسؑ سے تھی۔ اور اسی بنا پر آپنے رسولؐ کا علم اپنے بھائی کو سپرد کیا تھا۔ یہی علمدار حسینی آج کربلا کے میدان میں حاملِ لوائے رسولؐ ہے جو ہمشانِ علیؑ نظر آرہا ہے۔

اور جس طرح حسنؑ اپنے پدر نامدار کے سر سے ناف تک کی نصف تصویر

اور حسین بانیٔ نصف کی شبیہ تھے اسی طرح یہ شیر شکل و شمائل میں ہو بہو علیؑ کا مرقع تھا۔

سقائے سکینہؑ

اسد کردگار کے شیر کے القاب احاطۂ تحریر سے باہر ہیں ان کی ذات میں جو بے شمار اوصاف شامل تھے ان میں سے ہر صفت نے ایک ایک لقب کے سر پر عزت کا تاج رکھا تھا۔ لیکن "سقائے سکینہ" وہ آخری لقب تھا جو آج مابین ظہر و عصر اس بہشتی کو خدمت حصولِ آب تفویض ہونے پر سرکار حسینی سے ملا تھا۔ ماہ بنی ہاشم کا لقب اس جری کے لئے آج اتنا روشن نہیں جتنی اس لقب کی قبا قامت حضرت پر راست اتر رہی ہے۔ اور اگر چشم تصور بھتیجی کی ایک سوکھی ہوئی مشک بھی شانے پر لٹکتی ہوئی دیکھ لے۔ تو پھر سقائے سکینہ کے علاوہ کسی دوسرے نام سے کبھی بھی نہ پکارے اور خود حضرت کو بھی اپنے اس لقب سے اسقدر محبت ہے کہ اکثر اس نام سے پکارنے والوں کی آواز وقت اضطراب میں خالی نہیں گئی۔ اسی لقب کی وجہ تسمیہ علتِ اذنِ میدان ہے ورنہ حسینؑ سے عباسؑ کی جدائی کا واقعہ کسی کی عقل و ذہن میں نہ آتا۔

موجودہ وقت کی تصویر

شاہِ کم سپاہ کا لشکر گھٹتے گھٹتے اب اس صورت پر آگیا کہ ایک شاہزادہ جلو میں ہے اور ایک قوت بازو علمدار لشکر جیسا شیر دوش پر تلوار رکھے سامنے ٹہل رہا ہے اسد حق کا نہیب و جلال یمین و یسار میں ہے۔ اور ایک جانباز کے سامنے ہزار ہزار خیال کا ہجوم ہے۔ اپنا اور اپنے بچوں کا خیال پاس نہیں پھٹکتا۔ لیکن کبھی اپنے بعد تصویر نبی خاک و خون میں بھر جانے کا خیال دل خون کئے دیتا ہے۔ کبھی اس بھائی کی تنہائی کا خیال ستاتا ہے۔ جس کے گرد چوبیں گھنٹے ہر وقت تلوار لئے پروانہ وار پھرتے رہے۔ کبھی خیام اہل بیت

کا خیال آتا ہے تو دم گھٹنے لگتا ہے۔ اس پر بھی یہ عالم ہے کہ جب فوج مخالف کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو نگاہ کی بجلی تلوار کا کام کر جاتی ہے۔

اس طرف مظلوم کربلا کی کمر ٹوٹنے کا وقت قریب آ رہا ہے اور اب حضرت صبر وضبط کی مخصوص طلب میں جبین نیاز جھکائے ہوئے خالق سے عرض ومعروض فرما رہے ہیں اُدھر شاہزادہ علی اکبر چچا کی خدمت میں دستِ ادب جوڑ کر عرض کر رہے ہیں۔

"عمِ نامدار! آپ سے بابا کی کمر ایک طرف اور مخدراتِ عصمت وطہارت کا دل دوسری طرف قوی ہے۔ آپ اگر اس وقت میدان میں تشریف لے گئے تو آپ کی فتح یا شہادت سے قبل ادھر امام دو جہاں ختم ہو جائیں گے اور اُدھر بیبیاں خیمہ گاہ سے نکل پڑیں گی پھر بتائیے میں تنہا کیا کر سکوں گا اور کس کس کو روکوں گا۔ اس لئے بس ایک فصل اور باقی ہے۔ حضور اب میرے لئے سعی فرمادیں اور میرے بعد آپ ہیں۔ امامِ حق پرست ہیں۔ جو چارہ کار ہو وہ کیجئے گا۔"

حضرت عباسؑ نے سینے سے لگا کر فرمایا۔ آقا زادے! تمہاری سعادت اور فصاحت اسی کی مقتضی تھی جو تم نے کہا۔ مگر جان عم! قاسمؑ کی شہادت پر حسنؑ سبز قبا کی روح سے تو بجھے شرمندگی حاصل ہو چکی۔ کیا اب یہ چاہتے ہو کہ سیدۂ عالم کی گود کے دوسرے پالے کے سامنے بھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں۔ تم جس کی شبیہ ہو۔ اسی کی رسالت کا واسطہ اب اس معاملہ میں کچھ نہ کہنا۔"

ادھر سمعاً وطاعتاً شہزادے نے سر تسلیم جھکا دیا۔ اور اُدھر سرِ امامؑ سجدۂ خالق سے راز ونیاز کی منزلیں طے کرتا ہوا بلند ہوا۔ حضرتِ عباسؑ

تیغ زمین پر ٹیک کر حضرت کے قدموں پر گر پڑے اور عرض کی۔

آسماں پناہ! اب تو سپاہِ خدا اور آپ کے غلاموں میں مجھ کفش بردار کے سوا اور کوئی باقی نہیں۔ بچوں کے رن دیکھے۔ جوانوں کا جہاد پیش نظر ہوا۔ بڈھوں نے ضعیف ہاتھوں سے تلواریں چلائیں۔ مگر باوجود عہدۂ علمداری جس سے کوئی کارگذاری اب تک نہیں ہوئی وہ صرف عباسؑ ہے مولائے دوجہاں! اب تو خون رگیں توڑ کر آپ کے قدموں پر بہہ جانے کی حسرت میں سرگرم ہے۔ سیدۂ عالم کے چشم و چراغ!! اب تو ایک نظر کرم سے میری تقدیر کا ستارہ بھی چمکا دیجیے۔"

نفس مطمئن کے مصداق امام ابن امام نے بھائی کا سر سینے سے لگایا۔ اور فرمایا "رن کی اجازت اور تم کو نہ دوں۔ یہ تو میری مجال نہیں۔ لیکن ساقیٔ کوثر کے لعل! بچوں کی پیاس اب صبر امامت کو متزلزل کیے دیتی ہے اصغر کی رگیں پیاس کے تعب سے نیلی ہوگئی ہیں۔ تمہاری چار سالہ بھتیجی تشنگی کے عالم میں بے قرار ہے۔"

بہشتی کا داخلہ خیمۂ اہلبیت میں

یہ سنتے ہی عباس نامدار پائے امام چوم کر اٹھے اور خیمہ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے چلے۔ داخلِ حرم محترم ہوتے ہی دیکھا کہ ایک طرف شہزادۂ علی اصغر جھولے میں نڈھال ہیں اور ایک طرف پیاری بھتیجی بے ہوش پڑی ہے۔ اِس واقعہ نے حضرت عباسؑ جیسے جری پر جو اثر کیا ہو۔ اُس کی خیالی تصویریں تو خواہ کتنی ہی کھینچ لیجیے۔ مگر حقیقت بس وہی جانتا ہے۔ جس پر احساس ہوا۔ شیر نے غصہ میں ہونٹ چبائے اور جسم کا خون چہرہ میں کھنچ کر آگیا۔ قمرِ بنی ہاشم کا تمتمایا ہوا چہرہ اور اُس پر غضب کے آثار دیکھ کر پیاسوں کو کچھ

ڈھارس ہوئی اور ٹوٹے ہوئے دل بندھ گئے۔ دوڑ کر حضرت زینبؑ نے بھائی کو گلے سے لگایا اور پوچھا "علیؑ کے شیر کیا حال ہے۔ آج صبح سے بھائی کی خدمات کے خیال میں بہن کو تو بھول ہی گئے۔ کب سے آنکھیں دیدار کو مشتاق تھیں یہ بھی عنایت فرمائی جواب تشریف لائے۔ یہ تو فرمائیے کہ اب کیا ارادہ ہے۔ مجھے آپ کے تیور اچھے نظر نہیں آتے۔ بولو! بولو! خدارا بتاؤ کہ کیا قصد ہے"؟

حضرت عباسؑ نے جانشینِ جنابِ سیدہؑ کی خدمت میں ہاتھ جوڑ کر عرض کی شہزادیٔ عالم! جو واقعہ ہائلہ روبکار ہے وہ تو آپ پر بھی ظاہر ہے۔ آپ کو بھول کر تو کچھ بھی یاد نہیں رہ سکتا۔ مگر ہاں بندگی اور غلامی کا اقتضا یہی تھا کہ اس مصیبت کے عالم میں امام عالی مقام کے قدم نہ چھوڑوں۔ آپ ہی بتائیے کہ اگر میری ذرا سی غفلت میں حضرت کے دشمنوں کو کوئی چشم زخم پہنچ جاتا تو آپ کے بابا اور والدہ گرامی کو کیا منہ دکھاتا۔ اور اماں ام البنینؑ کو تو آپ جانتی ہی ہیں کہ وہ تو مجھے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ بخشتیں۔ نیز آپ کی نسبت تو مجھے یقین تھا کہ جب آپ کے قدموں پر سر رکھ دوں گا آپ میری غیر حاضری کو معاف فرما دیں گی۔ اب چونکہ حضورِ امام سے پیاسے بچوں کیلئے سبیل آب کی خدمت سپرد ہوئی ہے اسلئے سکینہؑ نادان سے ایک مشک حاصل کرنے آیا ہوں۔ اُن کے بابا نے جب علم عطا فرما کر طوبیٰ کرامت فرما دیا ہے تو کیا ساقیٔ کوثر کی پوتی مشک دے کر کوثر نہ بخشے گی"۔

یہ سنتے ہی جناب زینبؑ کا رنگِ رُخ اُڑ گیا۔ اور کہا "بھیا تو کیا نہر کے چاروں طرف فولاد میں ڈوبی ہوئی فوج کی دیوار کے مقابل اکیلے جاؤ گے اور کیا بھائی حسینؑ نے تم کو اس کی اجازت دیدی اور اپنے ہاتھوں اپنی کمر توڑنی گوارا فرمالی" یہ کہہ کر جناب زینبؑ دہاڑیں مار مار کر رونے لگیں اور

اطفال و مخدراتِ عصمت نے جناب عباسؑ کو آکر گھیر لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب شیر کا کلیجہ پانی پانی ہو کر بہہ جاتا مگر حضرت علمدارؑ شاہ نے دل پر قابو کر کے کہا آپ کو تشویش کیا ہے اگر وہاں غرقِ آہن فوجیں ہیں تو کیا عباسؑ کے ہاتھ میں تیغ خارا شگاف نہیں ہے۔ بیرالم کا واقعہ تو آپ لوری میں بچوں کو سناتی رہی ہیں آپ کے ان ہی بابا کا ایک ادنیٰ غلام میں بھی ہوں، پھر کیا عمر سعد بد نہاد کی فوجیں اُس فرقۂ ناری سے بھی زیادہ شدّت دکھا سکینگی۔ آپ کے ان ہی قدموں کی قسم اگر آج دشمن کا خون اور فرات کا پانی ایک نہ کر دوں تو ام البنین کا فرزند نہ کہنا۔ کب سے غم و غصہ کھا اور خونِ دل پی رہا ہوں کہ جس کی ماں کے مہر میں عالم کا پانی ہو اس کے بچے اِس طرح ایک ایک بوند کو ترسیں۔ سکینہؑ بی بی سے کہئے اپنے ہاتھ سے اُٹھکر مشک میرے کاندھے پر لٹکائیں اور مجھے اپنا سقہ بنا کر بھیجیں۔ تاکہ علمداری کے بعد جس عہدۂ جلیلہ کی حسرت سینۂ عباسؑ میں ہے وہ بھی پوری ہو جائے اور پیاسوں کے خشک لب تر ہونے کی جستجو بھی کروں" شیر کی ہمت افزا تقریر سنکر بیبیوں کے دل سینوں میں ٹھہرے اور جناب سکینہؑ بھی شیر کی گرج سُنکر اٹھیں، دوڑی دوڑی گئیں اور ننھے ننھے ہاتھوں سے اپنے ہونٹوں کی طرح خشک مشکیزہ لاکر چچا کے شانے پر لٹکا دیا۔ حضرت عباسؑ نے شہزادی کی بخشی ہوئی عزت پاکر جناب سکینہؑ کو گود میں اٹھا لیا۔ اور کہا بی بی! تمہارا سقہ نہر کی طرف چلا۔ لیکن اِدھر میں قدم اٹھاؤں اور اُدھر تم درگاہ رب العزت میں ہاتھ اٹھانا کہ تمہارے بابا کے خادم کی عزت رہ جائے غرقِ آہن فوج کی موجوں میں تلوار کے سہارے تیر کر کم از کم ایک مشک تو بھر لوں ورنہ سقائی کا نام بھی شرم کے دریا میں ڈوب کر فنا ہو جائیگا۔"

معصومہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سب کی آمین کے نعروں میں خدا
کا شیر عازمِ میدانِ قتال ہو کر باہر نکلا تو امام بیکس اور حضرت علی اکبرؑ کو ان
ملعونوں کو ہٹاتے ہوئے مصروف جہاد پایا جو میدان خالی دیکھکر خیمے کی
طرف بڑھے آتے تھے۔ علیؑ کے شیر نے ایک نعرۂ شیرانہ کیا اور فرمایا "ہائیں!
یہ بے ادبی! کہ غلام کی موجودگی میں آقا اور آقا زادے کو جہاد کی تکلیف دی
اب تو یہی جو اس کی سزا ہیں بڑھنے والوں میں سے کسی ایک کو واپس زندہ
جانے دوں" یہ فرما کر شیر کی ایک جست میں فراری ہرن چوکڑیاں بھول
گئے۔ گھوڑے بھڑکنے لگے اور سواروں کے ہاتھ سے تلواریں چھوٹنے
لگیں۔ حضرت عباسؑ نے تلوار آبدار نکال کر پہلے ہی حملے میں ۱۲۰ ملعونوں
کو دارالبوار پہنچایا۔ آپ کی تکبیر کی آواز اور تلوار چل جانے کی خبر لشکر
عمر سعد میں پہنچی۔ اور سب کے حواس اُڑنے اور طائر روح قفس جسم میں پھڑکنے
لگے۔ حضرت اس حالت کا اندازہ لگا کر گھوڑا اُڑاتے ہوئے قریبِ فوج
شام پہنچے اور فرمایا۔

رجز "مظلوموں، مہمانوں اور پیاسوں پر دست درازیاں دکھانے
والے کہاں گئے؟ چمکتی ہوئی تلواریں۔ تیز سنانوں کے
نیزے اور کمانوں سے اُٹھتی ہوئی تیروں کی گھٹائیں اب کون سے پردے
میں جا چھپیں۔ ہم ہاشمی نسل کی وہ تلواریں ہیں جو تمہارا خون پینے کے لئے
آج تک غلاف میں تھیں۔ اے زناکاروں کی اولادو! تمہیں یہ دیکھکر بھی ہمارا
حق پہ ہونا یقین نہ آیا کہ ہمارے برادران جلیل القدر نے غاضریہ کی اسی زمین پر تمہاری
آنکھوں کے سامنے تلواروں کے سائے میں اپنی قیمتی جانیں قربان کر دیں اور
جنت کے دروازوں پہ دق الباب کر کے دم لیا۔ اب بھی دنیا اور اس کی فانی

لذتوں پر نفرت کی ٹھوکر مارنے کی بجائے تم بے گناہوں کی گردن مارنے پر تُلے ہوئے ہو۔ دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ ابھی توبہ کا دروازہ تم میں سے بعض کے لئے کھلا ہوا ہے۔ لیکن اکثر کے گریبان موت کے ہاتھ میں ہیں۔ آخری فتح اور موہوم انعام تو دیکھئے کسکو نصیب ہو۔ لیکن موت کی سختی وہ بھی دم زدن میں تھوڑی بہت چکھ تو ضرور لیں گے۔ کیونکہ جب میری تلوار بلند ہوگی تو نہ صرف ہزاروں رشتۂ حیات قطع کرے گی۔ بلکہ آرزوؤں اور امیدوں کی سنہری لڑی کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کردے گی۔ اسوقت موت سے پناہ مانگنی کچھ فائدہ نہ بخشیگی۔"

ماردا بن صدیف

یہ رجز اور ایک سو بیس اُن مقتولین کی خبرِ موت سنکر جن میں اُس کے چند پرانے دوست اور رفیق بھی تھے۔ ماردا بن صدیف نے جوش میں آکر اپنے کپڑوں کو پھاڑ ڈالا۔ اور اس گریبان دری کو زرہ بکتر کی چادر سے چھپا کر نیزہ لئے پرے سے نکلا۔ اور اپنی فوج کو للکار کر بولا" تمہاری اس کثرت پر خاک ہے کہ اگر ایک اس بہادر پر مٹھی مٹھی خاک ڈال دو تو وہ دب کر رہ جائے۔ مگر باوجود اس کے تم گوشوں میں دبکتے پھرتے ہو۔ ایہا الناس! یزید کی بیعت کا پٹہ اسی بہادری کی بنا پر تم نے گلے میں ڈالا تھا کہ وقت پڑے تو پٹہ توڑ کر بھاگ جاؤ۔ اچھا! اب جسے جان پیاری ہے وہ صفِ جنگ سے علیحدہ نکل جائے اور پھر اسوقت تک کسی حسینیؑ مجاہد سے جنگ کا نام نہ لے۔ جبتک فتح کا باجا فقط میری تنہا قوت بازو سے نہ بجے" شمر ذی الجوشن کو یہ کلام تیر سے زیادہ تیز محسوس ہوا اور اس نے طعن آمیز لہجہ میں کہا "بہت اچھا ہم سب ہٹے جاتے ہیں اور یزید کو پرچہ بھیج دیتے ہیں کہ تجھے مارو جیسے نمک خوار کے دست واحد کی فتح مبارک ہو

جس نے ۲۷ حسینی جوانوں کو ایک زین پر مار لیا۔ مگر جانے سے پہلے یہ یاد رہے کہ یہ عباس ابن علیؑ ہے"۔ مارد نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا اور یہ کہتا ہوا کہ "میں بھی صدیف کا بیٹا ہوں" گھوڑا اُڑاتا ہوا موت کے تعاقب میں چلا۔ اسپ اشقر زیر ران تھا اور خود گراں سر پر سوار" ایک ہاتھ میں طویل نیزہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں موت کے صابادم گھوڑے کی عنان، اس ہیئت کذائی سے مقابل حضرت عباسؑ پہنچکر بولا۔میں مارد ابن صدیف ہوں! جانتے ہو؟ حضرت نے فرمایا ایسا ہی سوال عمر ابن عبدوُد نے بھی ہمارے بابا شیر خدا سے کیا تھا مگر آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ "میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں" یہ واقعہ بھی تو نے سنا ہے؟

واقعہ ایسا ہوش ربا تھا کہ مارد کے ہوش تو اُڑ گئے مگر اپنی شہرت، شجاعت اور لاف زنی کا خیال آگیا جس کا اظہار اپنے لشکر اور شمر کے سامنے کر کے آیا تھا۔ روئے سخن بدل کر بولا "صاحبزادے تلوار کو پھینکدو۔ اور فن جنگ جو یاد ہو اُس کو نیزے سے ظاہر کرو۔ کیونکہ میں تمہارا رجز قطع کرنے کے لئے تلوار کی بجائے ہوا نیزہ لے آیا ہوں۔ لیکن بہر حال ہونٹ اس سے بھی سے جا سکتے ہیں" حضرت نے فوراً تلوار میان میں رکھکر فرمایا "ہماری شجاعت کا یہ ننگ ہے کہ دشمن کو عاجز دیکھ کر اُسے اظہار شجاعت کا موقع نہ دیں۔ میں منتظر ہوں۔ پلٹ جا۔ اور تلوار کے ساتھ جو حربہ اور جتنے مددگار درکار ہوں، سب کو لے آ۔ کیونکہ تو نے مجھے ابھی تک پہچانا نہیں۔ تلوار میں نے میان میں رکھ ہی لی ہے۔ رہا نیزہ! اس کی مجھے ضرورت نہیں کیونکہ وہی جو تیرے پاس ہے جب تیری سب یاد کی ہوئی چوٹیں ختم کر کے ناکامیاب ثابت ہو تو مجھے مستعار دے کر اسکے کرشمے دیکھیو۔ اور گستاخیوں کا نتیجہ تو کوئی زبان

بھگتے بغیر رہی نہیں "۔
یہ سنکر یارو نے تین اشعار اس مضمون کے پڑھے "میں پھر نصیحت کرتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ نے میری خلقت میں رحم کو داخل ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کی بجائے محض عداوت اور انتقام کے شعلے بھر دیئے ہیں۔ آج یہ پہلا دن ہے کہ میری آنکھ تیرے شباب اور حُسن ملاحت کو دیکھ رہی ہے اور میرا دل سفارش کرتا ہے کہ تجھے میدان سے زندہ جانے دوں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ میرے کلام کو مان لے اور عیش و راحتِ دنیا سے فائدہ اٹھانے کیلئے واپس ہو جا"۔
حضرت نے جواب میں جو اشعار آبدار فرمائے اُن کی تفسیر تو کسی قلم سے کیا ہو سکتی ہے مگر محض مفہوم حسب ذیل ہے۔
"شیطانِ مجسم! اپنے قطع رحم کا الزام خدا پر لگا رہا ہے جس طرح جس کا تو پیرو ہے اُس نے خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ کے الزامی جواب کو اپنی سرکشی کا باعث ٹھہرایا تھا تو نے آج تک کسی پر رحم نہیں کیا۔ یہی باعث ہے کہ زندگی تیری تباہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ زمین پر تو چاہے جس طرح اُچھل کود لے۔ لیکن ناممکن اور قطعی ناممکن کہ تیری ہیبت سے قرص خورشید لرزنے لگے یا چادرِ آب تیری تلوار کی ضرب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ میرے شباب و حُسن کا جو تو نے تذکرہ کیا ہے۔ اسکے جواب میں کان کھول کر سُن لے کہ خدا جسے یاد رہے اس کا شباب و شیب یکساں ہے اور مردوں کا حقیقی حسن میدان نبرد میں شجاعت دکھانے۔ تلوار کی ہوا اور نیزے کی ضرب سے بہادروں کے بھگانے۔ جہاد میں قتل بلا میں صبر نعمت میں شکر۔ اور اللہ پر توکل کرنے میں ہے۔ سرکارِ رسالتؐ سے جو قرب ہمیں ہے اگر تو عمداً اس سے انکار نہ کرے تو تجھے معلوم ہو جائیگا

کہ جس شجرۂ طیبہ کی وہ اصلِ ثابت تھے۔ اسی کی ایک فرع میں ہوں۔ اور یہ تو تجھے پیدل فوج کے سردار شمر ذی الجوشن ملعون نے بھی بتا دیا ہوگا کہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کا فرزند ہوں یہ علم رکھنے کے بعد بھی تیری یہ درخواست کہ میں میدان سے پشت پھیر کر چلا جاؤں کس قدر حماقت پر مبنی ہے۔ آفتاب اپنی جگہ سے پلٹا۔ چاند نے مقام چھوڑ چھوڑ دیا۔ ستارے اور سیارے اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ لیکن جس طرح قطب کو جنبش نہیں ہوتی۔ اسی طرح علیؑ کے قدم میدانِ جنگ میں بڑھ کر اُسوقت تک نہیں پلٹے۔ جب تک ان کے دست و بازو نے فتح کا باب کھول نہیں دیا۔ قتل کرنے کے ساتھ قتل ہونا ہمارے اوصاف میں داخل ہے اور یہ آخری نعمت میرے لئے بھی آج کے دن مقدر ہو چکی ہے لیکن تجھ جیسے نامرد اگر دس ہزار بھی ایک ایک کر کے میرے مقابلہ پر آئیں۔ تو کبھی میرے قدموں پر لغزش پیدا نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ ان کے خون کی ایک ندی یہاں سے فرات تک ملحق کر دوں"

یہ کلام سنکر پہلی ہی ضرب مارد کی رگِ حمیت پر ایسی لگی کہ وہ جوش میں اندھا ہو کر نیزہ تانے ہوئے حضرتِ عباسؑ دلاور کی طرف بڑھا لیکن آپ بغیر ٹھاٹھ بدلے اسی طرح کھڑے رہے اور جونہی کہ اس کا نیزہ آپ کے دست زبردست کی پہنچ تک آیا آپ نے اس کی سنان پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا۔ کہ وہ ملعون زین سے بلند ہوگیا۔ اور راہوار سے گر پڑنے کے خوف میں اس نے نیزہ چھوڑ دیا۔ مگر انتہائی شرمندگی کے ساتھ پھر سنبھلنا چاہتا تھا کہ آپ نے برق خاطف کی طرح اسی کا نیزہ اس کے راہوار کے پٹھے میں مارا۔ جسکے اثر سے گھوڑا الف ہوگیا۔ اور وہ ملعون پہاڑ کی طرح زمین پر گر پڑا۔

اسپ طاویہ | حضرت عباسؑ نے نہ چاہا کہ خود سوار رہوں اور اپنے

خفت اٹھائے ہوئے شیخی خورے پیدل دشمن پر وار کریں لیکن پھر بھی مارد کی آنکھوں میں موت کی تصویر پھرنے لگی اور چاہتا تھا کہ لشکر کی طرف پشت کر کے بھاگے کہ شمر نے اس کے رسالہ کو آواز دی کہ تمہارا سردار سوار سے پیدل ہو گیا ہے۔ چنانچہ فوراً ایک سیاہ رو حبشی غلام طاویہ نام کا گھوڑا لے کر چلا جو اپنی رفتار میں برقِ صبادم تھا۔ مارد چلایا کہ میری موت سے پہلے گھوڑے کو مجھ تک پہنچا دے۔ غازی نے راہوار کی خصوصیت دیکھ کر اس کی طرف رُخ کیا اور صارقہ غلام کے قریب پہنچکر اُس کی گردن میں ایک نیزہ ایسا مارا کہ وہ زمین پر الٹ کر اپنے خون میں لوٹنے لگا۔ آپ نے اپنے راہوار پر سے ایک جست کی اور طاویہ پر سوار ہو کر مارد کے سامنے آئے اور فرمایا "دشمنِ خدا! تیرا ہی نیزہ ہے اور تیرے ہی فرس پر سوار ہوں۔ اب تیری سخت کلامیوں اور زبان درازیوں کی مدت ختم ہوئی۔ اب ہماری طاقت ضرب کا اندازہ کر۔ یہ فرما کر ایک نیزہ ایسا مارا جسنے اُس کی رگ گردن کو نحر کر دیا اور وہ اونٹ کی طرح چلانے لگا۔ یہانتک کہ زمین پر گرتے ہی تمام جسم کے خون سے مقتل کی پیاسی زمین سیراب ہو گئی۔ یہ دیکھتے ہی مارد کا رسالہ جو پانچسو جوانوں پر شامل تھا یکلخت شیر خدا کے شیر پر ٹوٹ پڑا۔ آپ نے طاویہ کو کاوے پر کاوے دیئے اور وہ تلوار کی کہ بدر و حنین کا سماں دشمنوں کے سامنے پیش کر دے۔ یہانتک کہ ۴۲۰ سواروں کو خاک و خون میں ملا دیا اور باقی اسّی کے قریب جان بچا بچا کر بھاگے۔ میدان خالی دیکھکر مجاہد و علمدار حسینیؑ نے طاویہ کی باگ روکی۔ نہر کی سرد ہوا فتح کی مبارکبادی کو بڑھی اور غازی کے جبین و رخ کے بوسے لئے۔ مگر جانباز اور فدائی بھائی کو امام کے لب خشک یاد آئے اور اکمر تبہ پھر اشتیاقِ قدم بوسی میں خیمۂ امام کا رخ کیا۔ جہاں امام علیہ السلام

نزد خیام کسی فکر انجام میں ٹہل رہے تھے۔ غازی راہوار سے کود الجام فرس پکڑے ہوئے امام کے قریب پہنچکر ادب سے جھکا اور کہا "آقا! ماردگے اس راہوار کو دیکھیے جو اپنے آقا کی مدد نہیں کرسکا مگر میرے اشارۂ ابرو پر کنوتیاں بدلتا ہے" حضرت نے سینے سے لگاکر پہلے آپ کی دادِ شجاعت اِن لفظوں میں دی" قوت بازو! آج تو بابا کی جنگ کا لطف برسوں کے بعد آنکھوں نے اٹھایا۔ کیوں نہ ہو۔ تم سے ہی اُن کا نام بلند ہوکر چمک رہا ہے" اسکے بعد غور سے راہوار کو دیکھکر فرمایا" یہ تمہاری اطاعت کیونکر نہ کرے گا۔ یہی تو وہ راہوار ہے جو ملک رے کے حاکم سے لیکر باباعلیؑ مرتضیٰ نے حسنِ سبز قبا کو عطا فرمایا تھا۔ علیؑ کا وہ چشم وچراغ بارہا کوفے کے بازاروں میں اس پر سوار ہوکر نکلا ہے۔ لیکن قیام مدائن کے زمانہ میں مخالفین نے چُرالیا تھا۔ آخر علیؑ کا ہدیہ تمہاری شجاعت کے انعام میں تم کو مل کر رہا"

یہ سنتے ہی راہوار نے ہنہنانا اور امام کی قبائے مدنی پر اپنا منہ ملنا شروع کیا اور محبت کے آنسو اس کی آنکھوں سے اس طرح جاری ہوئے جس طرح کوئی مدت کا بچھڑا عزیز عالم غربت میں اپنے رفیق سے مل کر روتا ہے۔

اللہ اللہ امامت کی گواہی زمین نینوا پر چرند پرند۔ شجر حجر اور چوپائے تک دیتے رہے لیکن کس قدر شقی وہ دوپائے حیوان تھے جو سب کچھ جان بوجھ کر بھی اپنے نبیؐ کے نواسے کے قتل پر آستین چڑھائے رہے۔

علمدارؑ کی آخری رخصت

اب امام مظلومؑ نے فرمایا" بھائی عباسؑ! اپنے بچوں سے ایک مرتبہ اور مل لو! اور میرے شیر! اب پانی کی فکر کرو کہ بچے قریب ہلاکت پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عباسؑ داخل حرم سرا ہوئے تو بہنیں مبارکباد کو اور بچے

حصول آب کے لئے بڑھے۔ حضرت کے دونوں صاحبزادے فضل و عبید اللہ بھی دامن پکڑ کر رونے لگے۔ آپ نے دونوں کو پیار کیا اور سمجھایا کہ "بیٹا جب شاہزادے اور شاہ زادیاں پیاس کی تکلیف میں مبتلا ہیں، تو تم تو پھر ان کے غلاموں کے غلام ہو، اس کے علاوہ ان کی بندہ نوازیوں سے امید ہے کہ جب پانی میسر آئے گا تو پہلے تم ہی کو پلائیں گے۔ اور پھر خود پئیں گے۔ اس یقین کے بعد ایسا اضطراب خلافِ شانِ مروت ہے۔ صبر کرو کہ میں دریا پر جانے ہی کے لئے پھر ایک مرتبہ رخصت کو آیا ہوں" زوجۂ عباسؑ ذرا آگے بڑھیں اور دست بستہ عرض کی " وارث و والی! آپ ان کی فکر نہ کریں۔ ہم کیا۔ اور ہمارے بچے کیا؟ جب شاہ دوجہاں کے بچے تڑپ رہے ہیں۔ بیشک اُن کی پیاس بجھانی پہلا فرض ہے۔ لیکن ہاں! یہ سنتی ہوں کہ نہر پر عمر سعد نے پانچ ہزار مسلح جوان پہرہ گیر مقرر کئے ہیں اس سے ہول آتے ہیں۔ اور اگر تمہارے ساتھ بھی وہی ہوا جو آج اس وقت تک ہر مجاہد کا انجام رہا ہے تو پھر ہماری زیست کی شکل بتاتے جائیے" کلیجہ تھام کر یہاں تک کلام کیا تھا کہ انتہائے ضبط سے دل بھر آیا۔ اور زوجۂ علمدار پچھاڑ کھا کر گریں لیکن سرتاج کا دامن ہاتھ میں تھا۔ حضرت عباسؑ سر جھکائے کھڑے تھے۔ اور اپنے بعد کے واقعات پر عالمِ خیال میں تبصرہ فرما رہے تھے کہ اسی اثنا میں حضرت امام کی آواز سر میدان سے آئی" بھائی عباس مدد کو پہنچو کہ لشکر عمر سعد نے تنہا پا کر مجھے گھیر لیا ہے" یہ سنتے ہی جری نے دامن چھڑا کر خدا حافظ کہا۔ اور زوجہ حضرت عباسؑ نے عالم انتیاز میں آنکھیں کھول کر شوہر کو پشت پھیرے چھٹتے ہوئے دیکھ کر کہا" سکینہ کے بہشتی! اللہ نگہبان" یہ فرماتے ہی پھر بے ہوش ہو کر سر زمین پر رکھ دیا۔ اور دل گھٹ جانے نے

آنکھیں بند کردیں

سبز پھریرے والے کا دوسرا حملہ

حضرت عباسؑ وفادار جونہی خیمہ سے برآمد ہوئے تو حضرت کو مصروف جہاد پایا۔ سبز پھریرا کھول کر پھر شان علمداری دکھا دی اور حضرت کی خدمت میں بلند آواز سے عرض کیا۔ "حضور! آرام فرمائیں۔ جانباز غلام آپہنچا" یہ فرماتے ہی شیرِ حق کے شیر نے حملہ آور دل کو گھیر کر دو سواسی کو ان میں سے قتل کر دیا۔ اور پھریرا اُڑاتے ہوئے آپ نہر کے قریب پہنچے۔ ترائی کی جانب ضرغام کا رخ دیکھ کر سب فوج ہوشیار ہوئی اور اُدھر عمر ابن سعد نے حکم بھیجا کہ بس اب آخری مرحلہ سمجھو۔ حسینؑ کے بچوں کی پیاس اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ علمدارِ لشکر کو سقا بنا کر بھیجا ہے دیکھنا اگر ایک بوند پانی کی خیامِ حسینؑ میں پہنچ گئی۔ تو عباسؑ و علی اکبرؑ و حسینؑ سے مقابلہ دشوار ہو جائیگا۔ اس لئے کمانیں کھنچی اور تلواریں غلاف سے باہر رہیں۔ نیزے کی انیوں کو چھاتی کے سامنے تانے رہو اور بازو سے بازو اس طرح ملا رہے کہ چھوٹی سے چھوٹی چڑیا بھی درمیان سے گذرنے نہ پائے۔

جناب عباسؑ کا روئے سخن

حضرت نے قریبِ نہر پہنچکر محافظ فوج سے اس طرح خطاب کیا:۔

"اے اشقیائے روم و شام! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اُس امام دوجہاں کی چار سالہ بچی کا سقہ بن کر آیا ہوں جس کی ماں کے مہر میں تمام دنیا کا نمک اور پانی ہے۔ محض دعوائے کلمۃ الحق کے لئے میں بچوں کی پیاس کا مختصر تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے بچوں کو نڈھال اور غش میں دیکھا ہے تم چونکہ سیر و سیراب ہو۔ اسلئے ان کی ۷۲ گھنٹے کی پیاس کا اندازہ قطعاً نہیں لگا سکتے ہاں مجھ سے پوچھو کہ جب میں اپنی حالت کا اندازہ کرتا ہوں، تو یہ

معلوم ہوتا ہے کہ رگوں میں تشنج ہے دماغ چکر کھا رہا ہے، آنکھوں سے
دُھندلا نظر آنے لگا ہے اور اس کے علاوہ جو پوری کیفیت ہے اس کی حقیقت
الفاظ ظاہر نہیں کرسکتے۔ اب اس سے اُن پھول سے بچوں کا خیال کرو جن پر دھوپ
تو دھوپ چاند کی چاندنی بھی مشکل ہی سے پڑی ہوگی۔ اور خصوصاً وہ شیر خوار
جو امام مظلوم کی آخری نشانی ہے وہ تو اس قابل ہے کہ پتھر سے پتھر قلب کو اس
پر پانی ہونا چاہیے"۔ اس کلام فصاحت التیام کے بعد جب کوئی جواب نہ آیا تو
آپ نے رہوار کو ذرا اور آگے بڑھا کر فرمایا "اگر گراں گوشی اس قدر طاری ہے
کہ باوجود میری اس قدر بلند آواز میں کلام کرنے کے تم میری آواز نہیں سُن
سکے تو میں اور قریب آگیا ہوں۔ اور تم چاہو تو میں دوبارہ اپنے الفاظ کو دہرادوں"
اس پر عمر ابن الحجاج نے جواب میں کہا "ہم بہرے نہیں ہیں سب کچھ سُن رہے
ہیں، ناواقف نہیں سب کچھ جانتے ہیں لیکن جو حالت آپ نے بیان کی ہے، یہی
مقصد تو بندش آب سے ہے۔ آپ اور کیا چاہتے ہیں؟ یہ سننا تھا کہ شیر کے دل
پر اُس نامرد کے الفاظ تیر بن کر لگے"۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو نے اور تیری اس تمام
محافظ فوج نے شریف ماؤں کی چھاتیوں سے دودھ پیا ہے تو اب گھاٹ کو
چھوڑ کر کوئی نہ ہٹے" یہ فرما کر آپ نے طاوبہ کو بجلی کی طرح اڑایا اور دم کے دم
میں لوہے پر لوہا۔ تلوار پر تلوار اور نیزہ پر نیزہ برسنے لگا لاش پر لاش گرنی، اور شوکت
کی رُوبہی شروع ہوگئی۔

اس منظر کی تصویر جناب وحید اعلی اللہ مقامہ نے ایک جگہ ایک مصرعہ میں
اس طرح کھینچی ہے کہ ؏ برساختگی میں لہو نہر پہ بوچھاڑ آئی۔

اور پھر اسی کی ٹیپ فرماتے ہیں ؎

دیکھتے رہ گئے سب مردمِ آبِ پانی | نظر آنے لگا تا دُور گلابی پانی

بہر حال جب تین سو سوار کنارِ نہر اپنا خون پانی کر چکے تو اب تمام فوج میں انتشار کی صورت رونما ہوئی۔ اور ایک کی دوسرے کو خبر نہ رہی جس کا جدھر کو مُنہ اُٹھا باگ اُٹھائے چلا جاتا تھا۔ بہت سے سوار جنھوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے تھے۔ نہر کے اس پار ہو گئے، اور بہت اسی روا روی میں بہہ گئے غرض نظمِ سپاہ کی خرابی اِس حالت پر پہنچ گئی کہ تمام باقی ماندہ فوج نے گھونگھٹ کھا کر گھاٹ خالی کر دیا۔ نقاب ہٹتے ہی دریا کا شفاف چہرہ نظر آنے لگا۔ اِدھر ماہِ بنی ہاشم کا عکس پانی پر پڑا اور اُدھر لہروں میں محبت سے تموّج پیدا ہونے لگا پیاسے بہشتی کا منتہائے مقصد اب سامنے تھا۔ یہانتک کہ گھوڑا بڑھا کر آپ نے دریا میں ڈال دیا۔ اور سوکھی مشک اتنی دیر لہروں کی پشت پر رکھی کہ اس کی سختی دفع ہو گئی۔ اِس اثنا میں طاویہ کی لجام آپ نے ڈھیلی چھوڑ دی جو پیاس اور جنگ کی شدت سے ہانپ رہا تھا مگر اس نے اپنی تھوتنی پانی کے متصل نہ ہونے دی آخر تو امام حسنؑ کا راہوار تھا۔ یہ کیونکر ہوتا کہ حسینؑ کے بچے خشک دہن رہتے تھے۔ اور حسنؑ کا گھوڑا پانی پی لیتا۔ اور گویا اوپر منہ اُٹھائے ہوئے اسی مطلب کو وہ بھی بزبانِ بے زبانی ادا کر رہا تھا۔ غازی نے خود بھی ایک چلو پانی لیا۔ اور گویا راہوار کو اشارہ کیا کہ میں بھی پیاسا ہوں اور تو بھی بحال ہے لیکن یہ سب لکھنے اور کہنے کیلئے واقعات رہ گئے پانی سے ہونٹ کسی کا بھی تر نہ ہوا۔ راکب و مرکب جس طرح پیاسے دریا میں اترے تھے فرات کا قطرہ قطرہ آج تک زبانِ حال سے گواہی دے رہا ہے کہ اسی طرح خشک لب مشک بھر کر باہر نکل آئے اب گروہِ شریر کہاں چوکنے والا تھا۔ چاروں طرف سے دار و گیر کا غل اور فوج کا دل بادل اُٹھا۔ ایک دوسرے سے یہی کہہ رہا تھا کہ اگر یہ مشک خیام حسینؑ میں پہنچ گئی تو ۲ محرم سے آجتک کی محنت صبح سے اسوقت تک

مقتول اور دل میں پرورش پانے والی تمنائیں سب بیکار ہو جائینگی۔ اگر غازی پر بھی قابو نہ پاسکیں تو مشک چھین لیں۔ ورنہ کم سے کم کسی طرح پانی ہی بہادیں ان کمینے خیالات پر متفق ہو کر بھاگے ہوئے پلٹے۔ اُکھڑے ہوئے پرے جمے۔ اور اتری ہوئی فوج کی بدلی پھر گھٹا ٹوپ چھا گئی۔ اب حضرت عباسؑ کی پوری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح پیاسوں کے خیمہ میں یہ مشک پہنچ جائے اور آپ نہر کی طرف سے گھوڑا اڑا کر خیمۂ مظلوم کا رخ کیا چاہتے تھے کہ سامنے سے کئی سو تیر مشک کا رخ کئے آتے نظر آئے۔ خود غازی نے بھی بچانا چاہا اور طاویہ نے بھی پوری سرعت دکھائی۔ بچوں کی تقدیر ابھی تک سیدھی تھی کہ لبِ سوفار مشک کو بغیر چھوئے ہی خالی نکل گئے۔ لیکن مشک کی اس حفاظت میں خود جانباز مجاہد فوج کی دوسری سمت سے اس قدر قریب ہو گیا کہ کئی سو سواروں نے گھیر کر تلوار پر تلوار مارنی شروع کی۔ حضرت ایک شانے پر مشک اٹھائے ہوئے تھے اور دوسرے ہاتھ سے تلوار چلا رہے تھے۔ کہ ایک ملعون زرارہ نامی نے کمین گاہ میں بیٹھ کر بائیں شانے پر ایک وار ایسا کیا۔ کہ دست حق پرست کندھے سے جدا ہو کر مثل ماہیِ بے آب زمین گرم پر تڑپنے لگا حضرت نے فوراً داہنے شانے پر مشک بھی لٹکائی اور اسی سے تلوار چلاتے رہے لیکن اب نہ وہ طاقت تھی نہ ایک ہاتھ سے دو کام انجام پاسکتے تھے اب دفاعی کوشش کرتے کرتے ایک طرف سے فوج کے پرے پر آپ نے گھوڑا اٹھا دیا کہ شاید رستہ مل جائے مگر غازی کی خدمات ختم ہونے کا وقت راہوار کی سرعت سے زیادہ تیزی سے قریب آرہا تھا یہانتک کہ نوفل ابن الازرق نے دوسرے بازو پر بھی ایک وار کیا اور وہ ہاتھ بھی زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اب غازی نے مشک کا تسمہ منہ میں دبا لیا۔ اور خود جھک کر پیاسوں کی مشک پر چھا جانا چاہا۔ لیکن مشک کے بچانے کی تمام تدبیریں

اپنے لئے مضر ثابت ہوتی رہیں۔ حکم ابن طفیل نے موقع دیکھا کہ اب مجاہد بے دست و بازو ہے اس لئے قریب پہنچنے میں خوف نہ کرکے گھوڑا بڑھایا اور علمدار کے جھکے ہوئے سر پر ایک گرز ایسا مارا کہ فرق مبارک پاش پاش ہو گیا اب چاند سی تصویر خون میں بھر چکی تھی۔ اس پر بھی یا مولاہ آدرکنی کے نعرے کے ساتھ آپ نے مشک اور علم کی امانتیں سونپنے کے لئے حضرت علیؑ اکبر کو بھی پکارا۔ لیکن غازی کے خون کے ساتھ اس محنت سے حاصل کئے ہوئے پانی کی تقدیر میں بھی بہنا لکھا تھا چنانچہ ایک ملعون نے تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ تمام پانی یکلخت بہ گیا۔ چھدی ہوئی خالی مشک غازی کے سینے سے لپٹ کر رہ گئی اور تیر کا سوفار آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ یہ غم حضرت عباسؑ کیلئے غم جانکاہ ثابت ہوا۔ ادھر ہمت، ادھر لجام فرس اور ساتھ ہی رکاب سے پاؤں چھوٹے اور علیؑ کا شیر ترائی میں گر کر تڑپنے لگا۔ جوں ہی امام علیہ السلام اور حضرت علی اکبرؑ نے آواز سنی۔ دونوں گھوڑے اڑا کر دریا کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت بار بار فرماتے جاتے تھے "الآن انکسر ظہری وقلت حیلتی۔ ہاں! ہاں! اب تو کمر ٹوٹ ہی گئی اور راہ چارہ مسدود ہو گئی۔ اس کے بعد آہ درد ناک بھرتے اور روتے پھر یہ اشعار زبان پر جاری کرتے رہے" ہاں! ہاں! انسان کو اس جوان پر رونا سزاوار ہے جس کے لئے کربلا کی سرزمین پر حسینؑ کے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ آہ! وہ جوان کون تھا؟ آہ علیؑ کا بیٹا؟ ابوالفضل العباسؑ میرا بھائی، میرا قوت بازو جس کے خون کی افشاں زمین کے ماتھے پر نظر آرہی ہے۔ جس نے تن تنہا لاکھوں سے بے خوف مقابلہ کیا۔ لڑتے لڑتے دریا پر قابض ہو گیا مگر پیاس کی حالت ہی میں جان گنوادی"

کٹے ہوئے بازو | اسی حالت میں سراسیمہ نوجوان بھائی کی لاش ڈھونڈھتے

ہوئے جا رہے تھے کہ مظلوم کی نگاہِ حسرت نے بھائی کا ایک ساعدِ بلوریں زمین
پر تڑپتا پایا۔ فوراً رہوار سے کود پڑے اور وہ ہاتھ اٹھا کر سینے سے لگایا۔ اور اس
قدر روئے کہ تمام ریشِ مبارک اشکِ خونیں سے مخضب ہوگئی۔ تھوڑی دور
آگے بڑھے تھے کہ شہزادہ علی اکبرؑ کو علمدار لشکر کا دوسرا ہاتھ علمؑ کے ساتھ لئے ہوئے
دیکھا یہ دوہرا ماتم تھا کہ ایک طرف نانا کا علم ٹھنڈا پایا۔ اور دوسری طرف
بھائی کا دوسرا ہاتھ ماتم کی خبر دے رہا تھا۔ تھوڑی دور آگے جناب علی اکبرؑ نے
اشقیائے امت کے ایک گروہ کو تلوار سے ہٹا کر دیکھا تو چچا کی لاش تڑپتی نظر
آئی۔ جہاں چند سوار تلوار کے وار لگا کر جسم عباسؑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے پر
تُلے ہوئے تھے۔ آپ نے امام علیہ السلام کو پکارا یہاں تک کہ بھائی بھائی کے
سرہانے پہنچ گیا۔ مگر پروردگار عالم کسی ضعیف بھائی کو جوان بھائی کی یہ حالت
نہ دکھائے جو حسینؑ نے عباسؑ کی حالت ملاحظہ فرمائی۔

علیؑ کا لال خون میں نہائے۔ دونوں ہاتھ شانوں سے کٹائے۔ ایک
آنکھ میں تیر کھائے، اور مشکِ سکینہ چھاتی سے لگائے لیٹا تھا۔ بعض مرثیہ گو
حضرات کا یہ خیال کہ بھائیوں نے آخری باتیں کیں صحیح نہیں۔ اگرچہ دل یہ چاہتا
ہے کہ شاہ و علمدار کے جذبات پڑھے جائیں لیکن یہ محض حسرت ہی حسرت ہوگی۔
کیونکہ شانوں کا خون بہ جانے اور سر پر گُرزِ گراں بار کے حملے نے حضرت میں
رمقِ جان نہ چھوڑی تھی۔ کیونکہ ایک تیر آنکھ میں اور ایک تیر جو مشک میں سے
گذر کر دل میں پیوست ہوگیا تھا یہ ایسے زخم نہ تھے جو پیاسے اور ماندے شیر کو
جینے دیتے اس پر بڑا ستم یہ ہوا کہ غازی کو دست بریدہ دیکھکر اہلِ کینہ میں سے
جس نامرد کے دل میں ذراسی کاوش بھی تھی۔ وہ قریب ہو کر تلوار کا ایک وار لگا
جاتا تھا جس کے باعث اتنے ٹکڑے ہوگئے تھے کہ حسینؑ سا امام جس نے ایک ایک

غلام کی لاش بہ نفس نفیس اٹھائی تھی اپنے جاں باز بھائی اور شیر کی لاش ترائی سے نہ اُٹھا سکا۔ یہاں تک کہ یہ حالت دیکھ کر آپ سے ضبط نہ ہوسکا اور باوجود صبرِ امامت منہ پر منہ رکھکر غش ہوگئے اور اعدا نے چاہا کہ بھائی کو بھائی کی لاش ہی پر بے جان کردیں لیکن یہ قصد پاتے ہی حضرت علی اکبرؑ نے تلوار نکالی اور للکار کر کہا "اگر سوء ادبی ہیں اس وقت ذرا جرأت کی تو یاد رکھنا یہ ہمارے لئے لائق برداشت نہیں اور یاد رکھو جس امام کو تم اسوقت مجبور سمجھ رہے ہو طاقت قہر یہ بھی اس کے قبضہ میں ہے اگر تم نے اسے برانگیختہ کردیا تو اسی کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں زمین و آسمان کی طنابیں ہیں ہم دونوں مل کر وہاں تک تلواریں ماریں گے جہاں تک تمہارا سایہ بھی نظر آئے گا"

علم و مشک اس آواز میں صداقت کی جھلک محسوس کرکے نامرد ذرا پیچھے ہٹے۔ اور شاہزادے نے امام ہمام علیہ السلام کو ہوش میں لانے کی سعی کی آخر حضرت اٹھے اور عَلم احمد مختار میں مشک سکینہؑ باندھ کر جوان بیٹے کے سپرد کی اور خود روتے ہوئے لاش کو سپرد خدا کرکے اُٹھے اور فرمایا "عباسؑ! علی کے شیر! تم میری امانت اور خدا کے حوالے ہو۔ میرے بعد اب سید سجاد ہی تم کو ہاتھ لگائیں گے۔ فرشتوں کی صفیں تمہارا پہرہ دینگی اور حوروں کا غول تمہارا طواف کرے گا۔ یہانتک کہ معصوم و مظلوم قیدی کے ہاتھ تم کو قبر میں اتار دیں"

مظلوم کربلا اسی حالت سے فریاد و فغاں کرتے ہوئے خیمۂ عصمت و طہارت پر پہنچے۔ جہاں پانی کے منتظر بچے اور لاش کے استقبال میں بیبیاں قریب در کھڑی ہوئی تھیں۔ مگر دونوں گروہوں نے لاش اور پانی کے بدلے خالی علم اور چھدی ہوئی مشک حسرت واندوہ سے دیکھی اور اپنی اپنی

جگہ سب روتے روتے بے حال ہو گئے۔ خصوصاً اطفال و زوجہ عباسؑ کا اپنے باپ اور والی کے لئے اور حضرت سکینہؑ کا اپنے چچا کے لئے عجب حال تھا یہ ہر بار "ہے ہے مرے عمو" اور وہ دونو بچے "ہے ہے بابا" کہکر باہر نکل جاتے تھے اُدھر بیوۂ عباسؑ کو غش پر غش آرہے تھے۔ ایک طرف شاہِ کم سپاہ ہاتھوں سے کمر تھامے کھڑے تھے۔ ایک سمت جناب زینبؑ بھائی کا علَم اور بھتیجی کی مشک لئے ماتم میں مصروف تھیں۔ غرض خیمۂ مظلوم کے اس کہرام کا نقشہ الفاظ میں کسی طرح نہیں کھینچا جا سکتا۔ آخر شیر خدا کی بیٹی کے حکم پر زیر علم صف ماتم بچھائی گئی۔ اور بیوؤں اور یتیموں نے علمدار لشکر کا ماتم دل کھول کر کیا۔ حضرت عباسؑ کی موجودگی میں جتنے انصار کی شہادت کی خبریں اور اعزّا کی لاشیں خیمۂ مطہر میں آئیں ان پر افسوس اور ماتم تو ضرور ہوا۔ لیکن کسی بیوہ اور یتیم کی ہمت نہیں ٹوٹی۔ سب کو یقین کامل تھا کہ علیؑ کے اس شیر کی موجودگی میں کوئی خیمہ کی طرف ہرگز نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اب علم ٹھنڈا ہوتے ہی سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے اور مخدرات عصمت و طہارت کو اپنے بے ردا ہونے کا وسواس ہونے لگا۔

جناب ام البنینؑ مادر حضرت عباس علیہ السلام

مادر جناب عباسؑ نے جب اپنے فرزندوں کی خبر شہادت مدینے میں سنی تو آخر ماں کا دل تھا۔ زخمی ہوا۔ اور بُری طرح زخمی ہوا۔ مگر ان کو یقین تھا کہ میرا عباسؑ ہرگز ہرگز کسی سے قتل ہو گا۔ اور نہ امام مظلوم پر آنچ آنے دیگا۔ لیکن جب حضرت عباسؑ کی خبر شہادت بھی مدینہ میں پہنچی تو اسی وقت یہ غم نصیب بی بی اپنا گریبان پھاڑ کر راہ بنی ہاشم کے غم میں بقیع میں جا کر معتکف ہو گئیں۔ اور تمام عمر اس غم جانکاہ میں اس شدت سے نالہ و زاری فرماتی رہیں۔

کہ جو کوئی اُس طرف سے گذرتا تھا وہ دل شق کرنیوالی آواز سنکر کلیجہ تھام لیتا تھا اور اس کی آنکھ سے بے اختیاری کے عالم میں آنسو نکل پڑتے تھے۔ مروان بن الحکم جو خاندان رسالت کا انتہائی دشمن تھا جب ایک مرتبہ اُدھر سے گذرا تو جناب ام البنینؑ کی آواز فریاد سنکر ٹھہر گیا۔ دریافت کیا کہ یہ کون معظمہ ہیں اور کیوں نوحہ کناں ہیں؟ ایک شخص نے جواب دیا کہ ابوالفضل العباسؑ کی ماں اپنے کڑیل جوان کو رو رہی ہیں۔ یہ سنکر اس قسیّ القلب تک پر یہ اثر ہوا کہ وہ ہائے ہائے کرکے رونے اور دھاڑیں مارنے لگا۔

جعفر طیارؑ کی منزلت

جناب سید سجادؑ اپنے چچا کو یاد کرکے فرمایا کرتے تھے یہ منزلت جناب جعفر طیارؑ کے بعد صرف میرے چچا عباسؑ ابن علیؑ کی ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے زمردیں کے دو پر انھیں عطا فرما دیئے ہیں جو بابا پر اپنے بازو نثار کرنے کا صلہ ہیں اور وہ حضرت اُن پروں سے مثل جعفر طیارؑ بہشتوں میں ملائکہ کے ہمراہ پرواز کرتے پھرتے ہیں۔ یہ منزلت میرے چچا کی ایسی ہے کہ تمام شہدائے کرام قیامت کے دن ان پر غبطہ کریں گے اور سب کو ان کا مقام بہشت اس دن دیکھنے کی آرزو ہوگی۔

شیر کی چوکی

چونکہ امام وقت نے اپنے ہاتھ سے بھائی کی لاش پروردگار عالم کو سونپ دی تھی۔ اسلئے اللہ جل جلالہ نے اپنی مخلوق میں سے ایک شیر کو اسد حق کے شیر کی لاش پر پہرہ کیلئے مقرر کر دیا جب سوم کے دن ۱۲ محرم کو قافلہ سالار اہلبیت بہ اعجاز امامت زندان کوفہ سے میدان کربلا میں تدفین شہدا کیلئے تشریف لائے۔ تو وہ شیر امام کو دیکھکر تین مرتبہ دہاڑا اور گویا اس طرح پُرسا خوانی کرکے مرخص ہوا۔

چمنستانِ محمدؐ کا سترہواں پھول

اٹھارہ برس والا ام لیلیٰ کی گود کا پالا

آہ! مظلوم حسینؑ۔ آپ کے مصائب لکھتے لکھتے مہینوں ہو گئے۔ حضرت عباسؑ کا واقعہ بھی جس طرح پہروں رو رو کر لکھا ہے۔ وہ خدا پر روشن ہے مگر اب تو پتھروں کا دل ٹکڑے ہونے کا وقت آگیا ہے۔ آہ! اب قلم گرفت سے نکلا جا رہا ہے۔ دل قابو سے باہر ہے۔ مگر کتاب غم کو کسی نہ کسی طرح پورا کرنا ہے اسلئے آپ ہی کا صبر قلم تھامیگا تو یہ منزل طے ہو گی۔

علیؑ ابن الحسینؑ

اولاد نرینہ حسینؑ ہیں یہ منجھلے علیؑ تھے۔ اس لئے ان کا نام علیؑ اوسط تھا۔ علیؑ اصغر ششماہے شہزادے کا نام تھا۔ اور علی اکبرؑ امام زین العابدینؑ کو کہتے تھے۔ لیکن یوم عاشورہ سے یہ نام اپنی خصوصیت سے بدل گئے۔ چونکہ تین ہیں سے دو علیؑ یوم طف میں شہید ہوئے۔ اس لئے ان ہی میں سے بڑے علیؑ کو علیؑ اکبر کا خطاب مل گیا اور وہ علیؑ اوسط سے آج علی اکبرؑ مشہور ہوئے کہ اصلی نام بہت سے ناظرین کی نگاہ کو بالکل نیا معلوم ہوگا اور ممکن ہے کہ کان بھی آشنا نہ ہوں لیکن کسی حقیقت سے محض اس بناء پر نہ چمکنا چاہیے کہ وہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ یہ اسلئے عرض کیا گیا کہ جس طرح شادیٔ قاسمؑ پر بے کم و کاست روشنی ڈالی گئی ہے اسی طرح

بعض ضروری امور کی صحت لازم ہے اور چونکہ یہ تصحیح عام واقفیت کیخلاف ہوگی۔ اسلئے ہم اپنے سنجیدہ ناظرین کو دست ادب جوڑ کر قبل ازوقت آگاہ کئے دیتے ہیں۔ تاکہ ہر ایسے مقام سے وہ دامن شکیب تھامے ہوئے گذر جائیں۔

ہمشبیہِ رسولؐ

صاحب ناسخ کا بیان ہے کہ طلاقتِ لسان۔ لطفِ بیان۔ صباحت رخسار، ملاحت دیدار۔ نیکوئی خُلق اور شمائل وخصائل میں حضرت علی اکبرؑ سے زائد زمین پر کوئی ہمشبیہ رسولؐ نہ تھا۔ ہمصورتِ محمدؐ۔ ہمنامِ علیؑ، کنیت میں ابوالحسن، تین بزرگوں کی یادگار۔ تمام محاسن ومحامد سے آراستہ۔ ریاضِ حسینی کا سروِ خزاں دیدہ ۷۲ گھنٹے کی پیاس میں مرجھایا ہوا تھا مگر اس پر بھی نوباوہ ریاض حسینی کہلائے جانے کے قابل نظر آرہا ہے۔

دشمن کی نگاہ میں خصوصیات

ایک شب اپنے خلوت کے دربار میں معاویہ نے اپنے اہل بزم سے کہا کہ تمہاری نگاہ میں آج مسندِ خلافتِ رسول کا موزوں وارث اور سزاوار نشست کون ہے؟ سب خوشامد خوروں نے کہا کہ ہر لحاظ سے ہم تو تجھ ہی کو موزوں جانتے ہیں۔ معاویہ نے کہا کہ یہ بالکل جھوٹی خوشامد ہے۔ ورنہ انصاف کی نگاہ سے دیکھو تو تمام عرب میں علی ابن الحسینؑ سے زائد ہرگز اس مسند کیلئے کوئی موزوں نہیں ہے کیونکہ ان کے جد رسولؐ خدا ہیں۔ بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور بنی ثقیف کا حسن ان کی تنہا ذات میں جمع ہیں اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو دیکھکر رسولؐ کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

یزیدِ لعین سے قرابت

جناب اُمّ لیلیٰ اپنی والدۂ ماجدہ کی طرف سے شہزادہ علی اکبرؑ کو ایک قرابت اس ملعون سے بھی تھی جسکی فوجیں

آج تصویرِ رسالت ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے میدان کربلا میں جمع ہوئی تھیں۔
جناب ام لیلیٰ میمونہ بنت ابوسفیان کی بیٹی تھیں، اس رشتہ سے آپ یزید کی
پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔ لیکن طیبین و خبیثین کی قرابتِ ظاہرہ کیونکر نبھ
سکتی ہے جبکہ اعمال و افعال میں زمین و آسمان کا فرق ہو۔

ابراہیمؑ خلیل کی قربانی

ابراہیمؑ نے ایک خواب کو جس طرح سچ کر دکھایا تھا اور بالکل صاف اور روشن
معاملہ ہے کہ فرشتوں، انسانوں۔ حیوانوں۔ چرندوں اور پرندوں نے ایک
بہشتی جانور کے گلے پر چھری چلتے دیکھی اور جناب اسمٰعیل الگ کھڑے ہوئے
تھے۔ مگر اب تک اہلِ دل اور اہلِ اسلام کا گروہ ہر سال واقعہ ابراہیمی کو
عید الضحیٰ کے دن سن کر باوجود روزِ عید کے گریہ کناں نظر آتا ہے۔ آخر اس کی
وجہ اور حقیقت کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ ایک ضعیف باپ اور جوان بیٹے کا
خیال آتا ہے اور حقیقتاً یہ خیال دل کے ٹکڑے کئے دیتا ہے۔ کہ باپ اور ضعیف
باپ کا ہاتھ جوان اور نوجوان۔ خوبرو اور شکیل۔ گود کے پلے اور گیسوؤں والے کی
گردن پر چلنے کے لئے چھری اور فولادی تیز چھری پکڑ لے اور مضبوط پکڑ لے
لیکن اسی وقت تک یہ واقعہ صبر و اضطراب چھیننے والا ہے۔ جبتک اس واقعہ
کے مشارٌ الیہ اور یادگار ذبح عظیم کی تصویر نظروں سے اوجھل ہے۔

ابراہیمؑ کی خواب کی تعبیر کربلا میں

دیکھئے اور یہاں ایک باپ کو دیکھئے جس کی تعریف لفظ ضعیف سے
پوری نہیں ہوتی۔ اضافہ پر اضافہ کیجئے، اور یوں کہئے کہ ایک کمر شکستہ باپ۔ جس
کی کمر کسی تیغ یا تلوار نے نہیں۔ بلکہ ماہ بنی ہاشم جیسی باپ کی نشانی کے افتراق
نے توڑ دی ہے ایک دل شکستہ باپ جس نے ستر عزیز و انصار اور ان جان نثاروں

کے غم میں مجروح ہونا برداشت کر لیا جن کی مثال کسی نبی اور رسول کے اصحاب و انصار میں نہیں ملتی اور ایسا باپ جس کا کوئی عضو بدن زخم و جراحت سے محفوظ نہیں اب اس فرزند کو میدان قتال میں بھیجنا چاہتا ہے جس کی کمسن تعریف نہیں ہوتی اگر اٹھارہ سالہ نوجوان کہہ دیا جائے بابا کا ہمنام ہی نہیں بشکل رسول بھی ہے جب حسین نے دیکھا کہ اب سوائے رخصت چارہ ہی نہیں اور یہ ماہوش دیر سے ہاتھ باندھے ہوئے اذن جنگ پر مصر ہے تو فرمایا "بیٹا لاچار باپ کی آنکھوں نے کیا کیا نہیں دیکھا اور جو کچھ باقی ہے وہ تجھے اب بھی نظر آرہا ہے اگرچہ بصارت پہلے ہی سے کم ہو چکی ہے اچھا اگر یہی ارادہ ہے کہ حسین جب جنگ کو میدان میں جائے تو دشمنوں کو پوری طرح دیکھ بھی نہ سکے اور وہ عدم بینائی سے فائدہ اٹھا کر مجھے جس طرح جی چاہے قتل کریں تو بہتر ہے کہ اپنی اس پھپھی سے رخصت ہو آئیے جس نے ۱۸ برس آپ کی پرورش میں عونؑ و محمدؑ کی خبر بھی اچھی طرح نہیں لی اور اس ماں کے کلیجے پر پتھر باندھتے آئیے جو رات بھر شمع کا فوری جلائے سرہانے بیٹھی اور چاند سی شکل دیکھتی رہی ہے باپ کا کیا ہے اس نے تو آج خدا کے خلیل کے خواب کی حرف بحرف تائید و تصدیق کرنے کا عہد کر ہی لیا ہے۔

خیمۂ عصمت میں تلاطم

یہ سنکر جناب علی اکبرؑ خیام اہل بیت میں تشریف لے گئے۔ جہاں بیبیاں ابھی علمدار کی صف ماتم سے اٹھی تھیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ علی اکبرؑ غیر معمولی طور پر مسکراتے چلے آرہے ہیں۔ جناب زینبؑ نے بڑھکر بلائیں لیں اور فرمایا۔ بیٹا اس میدان بلاخیز میں آنے کے بعد تو تمہارے تبسم کا منظر دیکھنا ہم بھول ہی گئے تھے۔ کون سی خوشی کی خبر لائے کہ موتی سے دانت نظر تو آئے" جناب علی اکبرؑ نے دست بستہ عرض کی "پھوپھی اماں اس سے زیادہ مسرت کا وقت کیا ہوگا۔ کہ جب

فرضِ منصبی کیلئے آپ رات بھر عونؑ و محمدؑ کو نصیحت فرماتی رہیں اور جس مقصدِ عظیمہ کے لئے حقیقتاً کوئی ماں اپنے بیٹے کو پرورش کر سکتی ہے وہ اب بالکل قریب ہے۔ جناب زینبؑ نے فرمایا بیٹا جلدی ہو گیا کہنا چاہتے ہو میرے حواس رخصت ہو رہے ہیں۔ عرض کی پھپھی اماں! آپ کو علم ہے کہ اب آپ کے ماں جائے کے اور میرے علاوہ کوئی باقی نہیں۔ دشمن کی فوج قریب چلی آ رہی ہے۔ کیا آپ یہ رائے دیتی ہیں یہاں تاخیر میں مصروف رہوں اور وہاں جس طرح علیؑ کا ایک چاند ابھی ابھی خاک و خون میں چھپ گیا۔ وہاں یہ دوسرا آفتاب روشن بھی موت کے گہن میں آجائے۔ جناب زینبؑ تو صرف اتنا کہکر کہ بیٹا اپنی ماں سے اجازت لو میں تو تمہاری پالنے والی ہوں غش کھا کر گر پڑیں لیکن جناب ام لیلیٰ آگے بڑھیں اور فرمایا "بیٹا ہم کیا اور ہماری اجازت کیا؟ اگر بابا تمہاری مفارقت گوارا کرتے ہیں تو ماں تو تمہاری اور ان کی خدمت گذار ہے" یہ فرما کر ماں کی ممتا کلیجہ میں اُمڈی اور آپ اپنے لعل کو سینے سے لگا کر بے ہوش ہو گئیں۔ اب کیا تھا یہ خبر خیمے میں عام ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور بیویاں چاروں طرف سے ہمشکل رسولؐ کے گرد ہو گئیں اور حلقہ باندھ کر ماتم شروع کر دیا۔ یہاں تک راوی کہتا ہے کہ جب علی اکبرؑ کو خیمے سے نکلنے میں دیر ہوئی تو میں واقعہ دیکھنے کیلئے ذرا آگے بڑھا تو یہ دیکھا کہ بار بار خیمہ کا پردہ اٹھتا ہے اور گر پڑتا ہے جس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ کڑیل جوان بار بار باہر آنا چاہتا ہے لیکن بچے اور بیبیاں پھر دامن کھینچکر اندر لے جاتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ بہت سے بچے دامن سے لپٹے ہوئے حضرت علی اکبرؑ کے ساتھ اس طرح باہر نکل آئے جس طرح کسی گھر سے پُر ارمان کا جنازہ نکلتا ہے۔

باپ سے بیٹے کی رخصت

اب مظلومِ کربلا نے اپنے ہاتھ سے اٹھارہ برس والے کو سلاحِ جنگ پہنائے جنابِ امیرؑ کا

زرّیں کمر بند جو حضرت جہاد میں باندھتے تھے اپنے علیؑ کی کمر میں باندھا اور سحاب عمامۂ رسولؐ خدا اپنے سر سے اتار کر بیٹے کے سر پر رکھا اور فرمایا "بیٹا! اب غمِ جانکاہ میں مجھے تو سر برہنہ رہنا ہی ہے عمامۂ رسولؐ سر پر رکھکر تم تو مجسم تصویرِ رسالت ہو ہی جاؤ۔ اولوالالباب کے دیکھنے کا وقت آگیا۔ یہاں خُلّت کا دعویٰ بھی نہیں اور خلیلؑ کی طرح آنکھوں پر پٹی بھی نہیں۔ یعقوبؑ اور یوسفؑ کے قصہ کو قرآن نے اسی لئے احسن القصص کہدیا کہ یہ واقعہ اسوقت تک رونما نہیں ہوا تھا ورنہ اس کو اس سے کیا نسبت؟ وہاں خود علم نبوت بھی بتا رہا تھا کہ یوسف بھائیوں کے ساتھ جا رہا ہے اور پھر زندہ آکر ملے گا۔ زمانۂ غیبت میں بھی جبرئیل منٹ منٹ کی خبر دیتے تھے۔ لیکن جب گھر سے محض تفریح کیلئے بھائیوں کیساتھ بھیجا ہے۔ تو چونکہ دل کو ایک تھوڑے عرصے کی ہجرت کا علم تھا محض اسپر دور تک ہمراہ گئے اور ایک درخت کے نیچے دیر تک گلے لگا کر رخصت کیا اور پھر اس درخت سے مل مل کر روتے تھے۔ اس پر بھی قدرت نے انھیں کظیمؑ (غصہ پینے والے) کا لقب دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ کہنا پڑا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں سفید (بے نور) ہوگئی تھیں۔

یہاں یوسف سے کہیں حسین بیٹا حسینؑ سے رخصت ہوکر اُن اشقیائے امت میں جا رہا ہے۔ جہاں سے اسوقت تک کوئی واپس نہیں پلٹا۔ اب بتائیے کہ کڑیل جوان کا ایسا افتراق چشم امامت میں اگر نورِ جہ کو زائل کردے تو کس اعتراض کے قابل ہے۔ مگر نہیں! جوان اور نہ سوار بیٹا عقابِ سبک گام کو قَدِّمْ یَا بُنَیَّ کے حکم پر مہمیز کرتا ہے اور باپ خود گردِ کارواں کی طرح پس اسپ رواں ہے۔ اب دل چاہتا ہے کہ ایوبؑ و یعقوبؑ و ابراہیمؑ پر سلام کرکے آواز دی جائے کہ دیکھئے خاتم المرسلینؐ کا نواسہ کس صبر کا اسوقت

اظہار کر رہا ہے۔ خود دل ہی جواب دیتا ہے کہ وہ ہونگے اور ضرور دیکھ رہے ہونگے کیونکہ جب خود ختمی مرتبت اپنا مرقع اور اپنی تصویرِ رسالت دیکھنے میدانِ کربلا میں تشریف لے آئے ہیں تو اب کونسا نبی اور وصی ہوگا جس نے تھوڑی دیر کیلئے جنت کی استراحت کو نہ چھوڑ دیا ہو۔ حسینؑ کی یہ درخواست نہیں کہ بیٹا میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو۔ بلکہ دل ہمہ داغ داغ امام فرماتا ہے۔ "بیٹا تم جوان ہو میں ضعیف۔ تم سوار ہو میں پیدل! اس پر مستزاد یہ ہے کہ بھائی کے غم میں کمر بھی ٹوٹ چکی ہے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میدان کو نہ جائیے لیکن ہاں یہ سوال ہے کہ آہستہ خرامی فرمائیے اگرچہ تم ابھی آنکھوں کے سامنے ہو مگر نورِ نگاہ رخصت ہو رہا ہے۔"

قربانیِ حج سے مشابہت تام

راوی جو واقعہ کا مبصر ہے شاعر نہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر کہتا ہے کہ میں نے حجاجِ حرم کو اپنی قربانیاں آگے آگے لئے ہوئے دیکھا ہے اور آج فرزندِ رسولؐ اور ہمشبیہ پیغمبر کا یہ منظر بھی اپنی آنکھ سے دیکھا۔ مظلومِ کربلا بالکل اس طرح بیٹے کے عقاب کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں جس طرح حاجی قربانی کے جانور لیکر منیٰ کی طرف جاتے ہیں۔" جنگل کی ہوا پاتے ہی عقاب نے کنوتیاں بدلیں اور مظلومِ کربلا کلیجہ پکڑ کر خاک پر بیٹھ گئے۔

استغاثہ بدرگاہِ احدیت

تھوڑی دیر کے بعد آسمان کی طرف سر بلند کر کے فرمایا "پروردگارِ عالم تو اس امتِ جفاکار پر گواہ رہیو کہ اس کی طرف اب وہ جوان چلا ہے جو رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے اشبہ تھا۔ اور جب ہم اہل بیت تیرے نبیؐ کی زیارت کو بیچین ہوتے تھے تو اس کو دیکھ کر کل پڑتی تھی۔"

عمر سعد سے مخاطبہ

اب رہوار کی گرد بھی نظر آنی بند ہو گئی تو مظلومِ کربلا نے بلند آواز اور ان الفاظ میں عمر سعد کو پکارا" سعد کے بیٹے، خدا تیرے رحم کو قطع کرے۔ تیرے ہر کام سے برکت کو اٹھا لے اور تجھ پر میرے بعد اپنے کسی بندے کو مسلط کرے جو تجھے بستر راحت پر اسی طرح ذبح کردے جس طرح تو نے میرے رحم کو قطع کیا ہے۔ اور رسول اللہ سے جو مجھے قرابت ہے اس کا لحاظ نہیں کیا" اس کے بعد وہ آیت تلاوت فرماکر آپ فرش خاک پر بیٹھ گئے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ" بالتحقیق کہ پروردگارِ عالم نے آدمؑ اور نوحؑ و آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کو دو جہاں میں سے چن لیا۔ اور ان میں بھی بعض کی ذریت کو بعض سے، اللہ سب کچھ جاننے اور دیکھنے والا ہے۔

ہمشکل نبیؐ کی سواری

رحمت اللعالمین کی تصویر اعدائے دین کی دست درازیوں پر قہر کردگار کا نقشہ دکھانے چلی، یا یوں سمجھئے کہ حیدرؑ کرار کے پوتے نے آستین الٹ کر کوفے کا دل لٹنے کا عزم کر لیا۔ چیں بہ جبیں شیر کو آتا دیکھکر روباہوں کے پرے داب غضنفری سے دبے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے، اور بعض کے دل ابرو کی دودہاری ذوالفقار سے کٹنے لگے۔ آپس میں مختلف سرگوشیاں ہونے لگیں۔ کوئی کہتا تھا کہ جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں کہیں وہی رسولؐ تو اپنے نواسے کی مدد کے لئے نہیں آنکلا۔ کوئی کہتا تھا کہ بیشک تصویر تو نبیؐ کی ہے لیکن چہرے کی جلالت یہ بنا رہی ہے کہ نجف کا شیر رسولؐ کی شکل میں اپنے فرزند عباسؑ کے انتقام کو آرہا ہے۔ غرض طرح طرح ہمشکل پیغمبرؐ کا کلمہ پڑھا جارہا تھا مگر قتل کے لئے تلواریں پہلوؤں میں سجی ہوئی تھیں اور زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں کہ ان کی یا کسی کی کلمہ گوئی پر نہ جانا۔ زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ محمد رسول اللہ تو ایک پرند بھی کہہ سکتا ہے اذان تو

مرغ بے ہنگام بھی دے لیتا ہے۔ یہی بلکہ اس سے بدتر حالت ان مٹی کے پتلوں کی ہے جنھوں نے اپنے افعال سے آدمیت اور نسلِ آدم کو بھی بدنام کردیا ہے۔ صاحب ناسخ آپ کی سواری کا شکوہ ان الفاظ میں بیان کر رہے ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ آفتاب درخشاں کی طرح تیغ شرر افشاں کھینچے میدان میں نکلا۔ ان کا نور جبین جمال پیغمبرؐ کی خبر دے رہا تھا اور اُن کا زور بازو حیدرؑ صفدر کا اثر ظاہر کر رہا تھا۔

علیؑ کے پوتے کا رجز

جناب علی اکبرؑ کو اس شان سے عازم میدان دیکھکر نقیبانِ لشکرِ روسیاہ میں غل ہوا کمانیں کڑکیں اور طبل جنگ پر چوب لگنی شروع ہوئی۔ اِدھر علیؑ کے پوتے نے میان سے شمشیر آبدار نکال کر اپنی بجلی اس طرح چمکائی کہ سب کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اس کے بعد یہ رجز فرمایا۔

"علیؑ کا پوتا حسینؑ کا بیٹا اور خود علیؑ ہوں۔ یہ ہمارا فخر ہے کہ ہم ختم المرسلینؐ کو خواہ جد کہیں یا ابی کے نام سے پکاریں۔ یاد رکھو کہ آج نیزے اور تلوار کے علاوہ کسی اور چیز سے تم پر حکم نہیں کیا جائیگا۔ اور اپنے مظلوم باپ کی حمایت میں وہ تیغ زنی کروں گا جس سے جوانانِ ہاشمی و علوی کی یاد از سرِ نو تازہ ہوجائے گی۔"

جنگ صفین کا نمونہ

یہ فرماکر آپ نے تلوار آبدار سے مسلم نما کفار پر سخت حملہ کیا۔ روایات میں بالاتفاق اس کا تذکرہ ہے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا حیدرؑ کرار قاسطین صفین پر حملہ فرما رہے ہیں۔ شہزادے کا رخ جس طرف ہوتا تھا بھیڑوں کے گلہ کی طرح لشکریانِ عمر سعد پشت پھیرے بھاگتے نظر آتے تھے۔ یعنی کربلا کے میدان میں دو مشہور

میدانوں کا منظر پیش نظر تھا۔ ایک طرف صفین کے حملوں کی تصویر اور دوسری طرف احد کے فراریوں کا نقش قابلِ دید تھا۔ گھونگھٹ کھائی ہوئی فوج جب ایک تنہا کا مقابلہ کرنے سے عاجز نظر آئی اور شیر کے بازو حملوں کی گراں باری سے اور تلوار خون سے بھر گئی تو آپ نے ذرا دم لے کر ایک شیرانہ رجز بھی اس طرح کیا :-

"عرب کے بہادروں سے مجھے عجب ہے کہ ایک ہی حملہ میں یہ کیا صورت ہو گئی وہ تلوریے جو زمان و سام کے بت آستینوں میں تمغۂ شجاعت سمجھ کر اور رکھ کر فخر کیا کرتے تھے اسوقت بے زبان پتھر کیوں بن گئے کہ آواز نہیں نکلتی۔ وہ جو عباسؑ اور حسینؑ شیرانِ علیؑ ابن ابی طالبؑ سے جنگ کیلئے بلائے گئے تھے۔ اسوقت سامنے کیوں نہیں آتے۔ مادر کا کوئی اور بھائی بھتیجا باقی ہو تو اس کے خیمہ پر تلوار سے دق الباب کر کے کہدو کہ سجاد کا بھائی اور عباسؑ کا بھتیجا مبارز طلب اور شہادت کی یاد میں بھوک اور پیاس بھولے ہوئے ہے"

زخمی شیر کی واپسی

جب اس پر بھی کوئی میدان میں نہ نکلا تو آپ نے لجام عقاب خیمۂ امام عالی مقام کی طرف پھیری جس کی دو علتیں ظاہر کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ پہلے ہی حملہ میں بروایاتِ معتبرہ آپ نے چُن چُن کر ۱۲۰ پلیتن اور روئیں تن جوانوں کو جو ہلاک کیا تو کثرتِ فوج کی اکثر دفاعی تلواروں کے زخم آپ کے سر و رُخ پر آ چکے تھے اور بعض سے خون جاری تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے حدّتِ میدان و سلاحِ جنگ سے جو آپ کی ۷۲ گھنٹے کی پیاس میں ناقابل برداشت اضافہ ہو گیا تھا ایسی تکلیف اور وقتِ مصیبت میں بیٹا کیسا ہی قابل عقیل۔ طاقتور اور نام آور کیوں نہ ہو۔ باپ کی مدد کی طرف دل جھکتا ہی ہے۔ اور پھر وہ باپ جو امام وقت بھی

ہوا سلئے جناب علی اکبرؑ زخموں کا مداوا، اور پیاس کا علاج مظلوم کربلا کی زیارت میں سمجھکر رخشِ وفادار اُڑاتے خدمتِ امام ہمام میں پہنچے۔ سلام کرکے گھوڑے سے کودے۔ اور عرض کیا:۔

باپ بیٹے کا روح افزا مکالمہ

"باباجان! اب تو پیاس نے مار ہی ڈالا۔ اور سلاحِ جنگ کی حدت اور طپش نے تباہ کردیا ہے۔ جو کچھ میں نے راہ خدا میں سعی کی ہے وہ حضورؑ کی رکاب نصرت شیم کا تصدق ہے۔ بابا!! ذرا میرے سر و رُخ کے زخم تو دیکھئے"

علیؑ اکبر سے مہ لقا۔ جوان۔ متقی۔ عالم۔ عامل۔ شجاع اور بزرگوں کی تصویر بیٹے دنیا میں کس کو نصیب ہیں جو اس وقت کا اندازہ لگایا جائے لیکن خیر ۱۸ سالہ جوان تو دنیا میں بہت ہوں گے۔ اُن کے باپ اپنے سینوں پر انصاف کا ہاتھ رکھکر ذرا اس منظر کا تصور کریں تو شاید حقیقت کا عشرِ عشیر ذہن پر واضح ہوسکے۔ بہرحال سیّد و صابر نے اشکوں کا پھاہا بیٹے کی مجروح پیشانی اور چاند سے زخمی رخساروں پر رکھا اور گویا زبان حال سے یا دل میں یہی کہا ہوگا کہ بیٹا! باپ کے پاس تو یہی آنسو ہیں خواہ ان سے زخموں کا مداوی کرلو۔ خواہ ان ہی کو پی کر جگر کی آگ بجھالو۔ ظاہرا امام ناطق نے روکر فرمایا "جان پدر! نانا رسولؐ خدا۔ بابا علیؑ مرتضیٰ اور تمہارے مجبور و بیکس باپ پر نہایت شاق ہے کہ تم ایسا حقیر سوال کرو اور پورا نہ کیا جائے تم مدد مانگو اور ہم خاموشی میں جواب دیں"

اب امام نے کیا کیا! بیٹے کے سینہ و سر کے بوسے لینے شروع کئے۔ بار بار اپنی زبان منہ میں دیتے ہیں اور فرماتے ہیں بیٹا اب اپنے دادا کے ہاتھ سے کوثر کا جام پینا۔ فرات کا پانی کیا پیوگے؟ جب عباسؑ ہی نے اُسے منہ نہیں لگایا

"علی اکبرؑ! وہ جام جو ساقیِ کوثر کی ہتھیلی پر ہے اُس کا ایک قطرہ دنیا و مافیہا کی لذتوں سے بہتر ہے اور مجھ سے پہلے وہ تمہارے لیے ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے دوسرے عمامہ سرخ کی جب سحاب کے بعد قرآن کے ہم رتبہ سر پر جگہ دی تھی دھجیاں پھاڑیں اور رسول نما بھرے کے زخموں پر ان کو باندھا۔ اور یہی وہ بدھیاں تھیں جو باپ کے متمنی دل اور ہاتھوں نے ام لیلیٰ کے چاند کے منہ پر لٹکائیں۔ آہ! عمامے کے ساتھ دل کے بھی ٹکڑے ہو گئے چاہا تو ہو گا کہ ایک مرتبہ خیمے میں تفتیدہ جگر ماتا کی ماریوں۔ پھپھی اور اماں کے پاس پھر بھیجدیں۔ مگر نہ معلوم کیا سوچ کر علم امامت نے ایسا نہیں کیا۔ اور دل کہتا ہے کہ اچھا ہی کیا ورنہ پُر ارمان دل زخموں کی بدھیاں اور دھجیوں کا سہرہ دیکھکر پھٹ جاتے اور ممکن تھا کہ شہزادہ کے وُرودِ خیمہ سے پہلے دو مخدرات عصمت کے جنازے خیمے سے ساتھ نکلتے۔

زبانِ امام کا اثر

اکثر حدیث خواں بھی یہی پڑھتے ہیں اور اردو کی کتب سوانح مظلوم میں بھی یہی درج ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ نے اپنی زبان باپ کے منہ میں سے فوراً کھینچ لی اور کہا کہ آپ کی زبان میں تو مجھ سے بھی زائد کانٹے پڑے ہوئے ہیں لیکن بندۂ مؤلف نے نہ تو ناسخ جیسی مستند کتاب میں اس کا ذکر کہیں پایا اور نہ کسی موثوق نقل میں ایسا ہے نہ معلوم یہ روایت کہاں سے آئی۔ اس کے بجائے میں تو دیکھتا ہوں کہ حضرت نے زبان علی اکبرؑ اپنے منہ میں لی اور چوستے رہے۔ گویا یہ تو فوری مداوی تھا اور اس دوبارہ رخصت کے وقت اپنی انگوٹھی دے کر منہ میں رکھنے کی ہدایت فرمائی پیاس سے دوری کا علاج تھا۔ بہت سے واقعات اور رائے عامہ اسی پر دلالت کرتی ہے اور میں تو اُسے زبانِ امام کا اثر کہتا ہوں۔ کیونکہ یہ وہی زبان تھی جس نے

بروایاتِ مختلفہ چھ ماہ۔ ۹ ماہ یا دو سال تک زبان رسالت چوسی تھی۔ اور زبانِ رسالت کا یہ معجزہ عام کتب میں درج ہے کہ حضرت نے ایک مرتبہ خشک کنوئیں میں لعاب دہن پھینکدیا تھا تو شوقِ لقائے رُخ پاک میں پانی کی مواج لہریں سرِ چاہ تک بلند ہوگئی تھیں۔ اِن تمام امور کے بعد یہ بھی غور طلب ہے کہ یہ وہ امام ہے جس کی ماں کے در سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں پھرا اور خود اُس نے خذف کو جواہر کر کے سائلین کی آغوش کو پُر کر دیا اور اپنی عُسرت کا عذر درمیان نہیں آنے دیا۔ ایسی صورت میں غیر ممکن اور ناممکن الخیال ہے کہ سوکھی زبان منہ میں دے کر غیر تمند اور سائل بیٹے کا دل توڑ دیتے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اپنی مجبوری کا اظہار اس طرح کیا کہ بیٹا میں تم سے زیادہ پیاسا ہوں یہ بھی قابل قبول نہیں۔ اسلئے کہ امام اور غیر امام کا کیا مقابلہ ہے؟ علاوہ ازیں انگوٹھی کا دہنا بتاتا ہے کہ تسکین کے لئے دی تھی طفل تسلّی کے لیے نہیں عطا فرمائی تو پھر امام کے ہاتھ سے مس ہوکر پتھر تو پانی ہوجائے یا تسکین میں پانی کا کام دیجائے۔ مگر زبانِ امام جسے خونِ رسولؐ ہونے کا درجہ حاصل ہو عیاذاً باللہ محض خشک چمڑہ ہی ثابت ہو۔

رن کو مراجعت

بہر حال عمامہ سرِ امامت کے پیچوں۔ قرۃ العین سیدۂ عالم کے اشکہائے چشم اور خاتمِ انگشتِ امام سے فی الجملہ تسکین پا کر ہمشکل نبیؐ نے پھر میدان کا رُخ کیا۔ اور فوج ملاعنہ کے مقابل ہو کر فرمایا۔

"ہماری جنگ کی تھوڑی ہی سی دیر نے حقیقت کا چہرہ تو تم جیسے کے اندھوں کے سامنے واضح کر دیا ہوگا۔ اور اب تو مجھے یقین ہے کہ انجامِ جنگ بھی تمہاری نگاہ میں بے نقاب ہو چکا ہوگا۔ عرش کے مالک خدائے بزرگ و برتر

کو گواہ کرتا ہوں کہ ہم جان دینے سے پہلے پہلے ایک مرتبہ تمہارے
جسموں کو اپنی تلواروں کا نیام بنا کر رہیں گے۔ اور آخر میں موت تو آنے
والی ہے جو صدیقین کی عینِ تمنا ہے اور ہمارے لئے تو وہ بھی عین زندگی ہے
پھر زندگی بھی وہ جس میں بادشاہی ہی بادشاہی ہے اور بادشاہی بھی دادا
ساقیٔ کوثر اور جدامجد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے" اس
کے بعد جان سے ہاتھ دھو کر اور رب الارباب کی طرف بازگشت کا عزم بالجزم
کر کے اپنے صاعقہ آتشبار کو لشکر کفار پر چمکایا اور اس طرح تلوار چلائی کہ
دائیں بائیں فولادی ٹوپیوں پر ضرب کی آواز نے بازار آہنگراں کا نقشہ
پیش کر دیا۔ اور مقتل کی تمام زمین خون سے پُر ہونے کے باعث کوزۂ فصاد
بن گئی۔ اس صورت سے آپ نے ایسی مجروح حالت اور تعبِ وفورِ تشنگی
میں بھی اسّی سواروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن اب اپنے زخموں سے
بھی خون بہتے بہتے دست و بازو میں کمزوری محسوس ہونے لگی۔ بس ہاتھ کا سست
پڑنا تھا کہ چاروں طرف سے تلواریں پڑنے لگیں اس پر بھی آپ وار روکتے رہے
اور چاہتے تھے کہ کسی طرح گھمسان سے نکل کر فوج کو اپنی ایک طرف کر لیں۔
لیکن منقذ بن مرہ لعین نے برچھی کا ایک وار سینۂ بے کینہ ہمشکل پیغمبر پر ایسا مارا
کہ اب راکبِ دوشِ رسولؐ کو عقاب پر سنبھلنا دشوار ہو گیا۔ اور رکابوں سے پاؤں
نکل گئے۔ رہوار سے گرتے گرتے آپ نے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں حمائل
کر دیئے اور فرمایا کہ یہی وقت وفاداری ہے جس طرح ممکن ہو مجھے باباؑ کی خدمت
میں پہنچا دے" فرس نے اپنی فراست سے راکب کا اشارہ سمجھ کر کان کھڑے کئے
اور نیزوں کے نیستان سے نکلنے کی سعی شروع کی۔ لیکن جس طرف سے وہ ہو کر
گذرتا تھا۔ دشمنوں کی تلواریں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ خود بھی زخموں میں شرکت

کی اور راکب کا تو یہ حال ہوا کہ حتیٰ قطعوہ بسیوفھم اربًا اربًا
یہاں تک کہ دشمنانِ دین نے تصویرِ نبی کو پارہ پارہ کردیا۔ قرآن کے تو
تیس ہی پارے ہوئے تھے۔ لیکن مصحفِ ناطق کے فرزند کے زخموں کی
گنتی اس مصیبت کے وقت میں کون کرتا۔ آخر یہ دیکھکر عقاب رف رف
تمثال نے ایک صیحہ کیا اور باوجود باین بے بال و پری اپنے راکب کو لیکر
اڑا۔ اور دشمنوں کی زد سے دُور نکل کر ایک درخت کے نیچے معراج شہادت
کے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا کر اتار دیا۔

فرزند کی آوازِ استغاثہ

اب رہوار سے گرتے ہوئے فرزند نوجوان
نے یَا اَبَتَاہُ اَدْرِکْنِیْ کہکر ضعیف اور
تنہا باپ کو پکارا آپ ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہوئے بیٹے کی جنگ کا نظارہ
فرمارہے تھے اور جب سے گھمسان کی جنگ شروع ہوئی اور عقاب علی اکبرؑ
کثرت ملاعنہ میں نظر سے چھپ گیا تھا آپ دستِ دُعا بلند کئے ربّ الارباب
کی درگاہ میں عرض معروض کر رہے تھے۔ یکایک کڑیل جوان کی دردناک آواز
گوشِ مبارک میں پہنچی۔ فوراً گھبرا کر دوڑے اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے
فرمایا" حاضر ہوا حاضر ہوا۔ بیٹا علی اکبرؑ! تمہارے بعد دنیا اندھیر ہے" امام
مظلوم پسر مردہ شیر کی طرح استغاثہ پر استغاثہ کرتے ہوئے جارہے تھے۔
اور فرماتے جاتے تھے قَتَلَ اللّٰہُ قَوْمًا قَتَلُوْكَ " بیٹا! تم (جیسے شیر جواں)
کو جس قوم نے قتل کیا ہے اللہ اُس (ملعون) قوم کو ہلاک فرمائے فَمَا اَجْرَءَھُمْ
عَلَى الرَّحْمٰنِ ان بدبختوں نے خدائے رحمٰن (کی رحمت) پر کسقدر جرأت
کی ہے۔ بیٹا! اب تو آثارِ دنیا کا مٹ جانا ہی اچھا ہے اب تو آسمان کا سماں ہی
بے نور ہے۔ جب تم جیسا چاند مٹی میں چھپ گیا" یہ فرما کر ایک جگہ اُسطرف

جہاں سے آواز آئی تھی۔ راہوار سے اُتر گئے اور آواز دی "بیٹا علی اکبرؑ! باپ کی بینائی نے جواب دیدیا۔ یک پیری وصد عیب کی پوری تصویر بن گیا ہوں، آواز دو کہ کدھر ہو۔ باپ جنگل میں ٹھوکریں کھا رہا ہے" افسوس صد افسوس، کلیجے کا گھاؤ بیٹے کی زبان پکڑے ہوئے تھا۔ درد کی شدت مشکل سے کراہنے بھی دیتی تھی۔ آواز سُن رہے تھے۔ مگر جواب کے لئے تڑپ تڑپ کر رہ جاتے تھے۔ عقاب علی اکبرؑ نے دردرسیدہ امام کی آواز سنی۔ ایک طرارہ بھر کر امام کے قدموں پر سر جا رکھا اور یہ پہلی تعزیت تھی جو فرزند جواں سال کے غم میں ایک جانور نے کی اسلئے کہ انسان تو چاروں طرف قاتل ہی قاتل، رہزن۔ مہمان کُش۔ احسان فراموش۔ جاہل، کندۂ ناتراش اور نامعلوم باپوں کی اولاد تھے۔ امام ہمام نے بیٹے کی رہوار کی گردن میں باہیں ڈالدیں اور دہاڑیں مار کر رونے لگے۔ راہوار علی اکبرؑ زمین پر بیٹھ گیا۔ اور امام کو پشت پر لے کر ہمشبیہ پیغمبرؐ کی نعش پر لے گیا۔

کڑیل جوان کی موت

اب باپ نے کیا دیکھا؟ خدا کسی ضعیف اور مومن باپ کو جوان بیٹے کی یہ حالت نہ دکھائے اٹھارہ برس والا۔ نانا کے شباب کی تصویر، ام لیلیٰ کا چشم وچراغ، بنت علیؑ کی گود کا پالا۔ باپ کی ضعیفی کا سہارا اور تمام گھر بھر کی آنکھ کا تارا، سینہ پر ہاتھ دھرے کراہ رہا ہے۔ ایک پاؤں سمیٹتا ہے ایک پاؤں پھیلاتا ہے۔ بیٹے کا یہ حال دیکھکر بھی اگر صبر میں فرق نہیں آیا۔ تو بس سمجھ لیجئے کہ مافوق انسانی اسی طاقت کا نام صبر امام ہے۔ اور یہ بشریت تھی اور فطرت تھی کہ آپ نے دوڑ کر بیٹے کو سینے سے لگا کر منہ پر منہ رکھدیا۔ خون بھرے رخساروں کے بوسے لینے لگے اور ہاتھ سے خاک بھرے گیسو سلجھا کر فرمانے لگے "بیٹا تمہاری آواز پر

ٹھوکریں کھاتا ہوا باپ آیا ہے کچھ اپنا حال کہو۔ کچھ مصیبت زدہ کی سنو کہ تمہارے سوا اب میرا اس عالم تنہائی میں کون ہے؟ کمر کی طاقت بھائی عباسؑ لے گئے۔ آنکھوں کا نور تمہارے ساتھ رخصت ہو رہا ہے۔ اب دشمنوں کی تلواروں سے ہمیں بچانے والا تو کوئی بھی نہیں" یہ کہکر امام اس قدر روئے کہ بیٹے کے چہرہ کا جما ہوا خون آنسوؤں کے ساتھ رقیق ہو کر بہنے لگا۔ باپ کا یہ حال دیکھکر جان دیتے ہوئے بیٹے کی زبان نے وہ پیغام سنایا کہ حضرت کا دُکھا ہوا دل ٹھہرا۔ اور حقیقتاً ایسے ہی سہارے منجانب رب العزت امام کے قدم نہ چومتے تو قرصِ آفتاب دوسری صبح افقِ مشرق پر نظر نہ آتی۔ شہزادۂ علی اکبرؑ نے دل پہ ہاتھ رکھکر فرمایا "بابا! اب میرا غم نہ کھائیے۔ جدِ امجد۔ آپ کے نانا رسالت مآبؐ یہ میرے سرہانے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور خدائے پاک کی قسم وہ لذیذ شربت مجھے پلایا ہے جو خوشبو میں کافور اور خُنکی میں برف ہے۔ اب میں کبھی آپ سے پانی نہیں مانگوں گا" یہ کہتے کہتے سانس اکھڑنے۔ دم رکنے اور الفاظ گلے میں اُلجھنے لگے۔ مظلوم کی نگاہ مجروح کی پیشانی پر تھی۔ موت کا پسینہ نظر آتے ہی فرمایا "ہاں ہاں! بیٹا۔ رُک کیوں گئے۔ کیا کہہ رہے تھے باپ سے ابھی رخصت نہ ہونا بات تو پوری کہو" امام کے الفاظ اور حسرت کی تعمیل موت کے فرشتے کو بھی کرنی پڑی اور اسوقت مصیبت زدہ ہے تو کیا؟ آخر اُسی شہزادی کا شہزادہ ہے جس کے دروازے پر قبضِ روحِ رسولؐ کے دن دستک پر دستک دیتے رہے مگر بغیر اذن داخل حرم سرا نہیں ہو سکے تھے۔ آخر علی اکبرؑ نے پھر ایک بار آنکھیں کھولیں۔ باپ کے چہرے کو دیکھا اور کہا "بابا! میری ماں امِ لیلیٰ اور اپنی بہن بنت علیؑ سے خبردار! یہ دونوں میرے غم میں کیونکر جئینگی" یہ کہتے کہتے آنکھیں پھرائیں اور ریاضِ خلد کو رسالت مآبؐ کے ہمراہ تشریف

لیگئے جو دیر سے سربالینِ ہمشکل استادہ تھے۔

کڑیل کالاشہ

کمزور بازو شکستہ امام نے غم فرزند جواں ہیں جو صبر اس وقت دکھایا اس نے کون و مکاں میں ہیجانِ عظیم برپا کر دیا۔ اشک پونچھ کر اُٹھے جوان کی لاش ہر چند عقاب پر ڈالنی چاہی لیکن طاقت بشری اور ضعفِ ظاہری نے انکار کر دیا آخر دامن صبر گردان کر طاقتِ امامت کے اظہار پر کمر بستہ ہوئے اور فرمایا "بیٹا! کڑیل جوان!! اب تو کوئی میری مدد کو باقی نہیں جس طرح ہو گا گنج شہیداں تک تمہیں پہنچا کر ہی رہونگا" یہ فرما کر بنفسِ نفیس بیٹے کی میت عقاب پر رکھکر اور آپ راہوار کی لجام ہاتھ میں لیکر مشایعت فرماتے ہوئے پہلے سراپردۂ عصمت و طہارت پر پہنچے۔ جہاں بیبیاں پُر ارمان کا جنازہ دیکھنے کیلئے خاک اُڑا رہی تھیں"

اٹھارہ برس والے کا ماتم

جونہی عقابِ علی اکبرؑ کے ساتھ ساتھ امام کو اور فرزند جواں کے پاؤں رہوار سے زمین پر گھسٹتے دیکھے خیمۂ اہل بیت رسولؐ سے واثمرۃ فؤادی آہ! اے پارۂ جگر!! اور واقُرَّۃَ عَیۡنِی۔ آہ! اے خنکی چشم!! کی آوازیں ماتم و سینہ زنی کی آواز سے مل کر بلند ہوئیں جنگل کے پرندے بالائے ہوا جمع ہو گئے۔ اور وہ شور قیامت بلند ہوا کہ ساکنین فلک بھی شریک غم ہوئے ہونگے حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اسی ہنگامہ ماتم میں ایک سیاہ پوش بی بی بار بار خیمے سے باہر نکل کر شدتِ اضطرار میں اپنے آپ کو لاشۂ علی اکبرؑ پر گرا دیتی تھیں اور سخت نالہ و فریاد کرتی تھیں۔ امام ہر بار ان کو خیمے میں داخل فرما دیتے تھے۔ میں نے قرائن سے یہ سمجھا کہ یہ دل جلی پُر ارمان کی ماں ہو گی لیکن بعض لوگوں نے بیان کیا کہ بنتِ علیؑ جناب زینبؑ ہیں کیونکہ حضرت انھیں کو خواہر کے

لقب سے مخاطب کر کے تسلی دیتے تھے۔ یہ تشریح ان سواروں کی زبانی ہے جو فرزند رسول الثقلین کے دل پر ایک اور جگر خراش داغ لگا کر قربِ خیام سے واپس آرہے تھے جس کی تشریح حسب ذیل ہے۔

ایک گُلِ ناشگفتہ

کتب معتبرہ میں یہ روح فرسا اور دل و جگر خراش واقعہ درج ہے کہ جناب علی اکبرؑ کے بعد ملاعنہ اور فراعنہ لشکر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب مظلوم کربلا جنگ نہیں کر سکیں گے کیونکہ یہ آخری دو داغ ان کی نظرِ رحم فراموش میں بھی ایسے جانکاہ تھے کہ امامِ بلاکش کی زندگی ختم کر چکے تھے۔ چنانچہ چند سوار اسی امید میں بڑھ آئے تھے کہ امام کا قتل اور خیمۂ رسول کی لوٹ ایک ہی حملے میں دونو کام ہو جائیں گے لیکن قریب خیام پہنچکر وہ شور گریہ سُنا کہ قدم آگے نہ اُٹھ سکے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رُعبِ امام اپنی پُر شکوہ فوج لئے گرد خیام طلایہ پھر رہا ہے۔ اسی ہنگامہ میں ایک طفل لرزاں و ترساں خیمے سے باہر نکلا جو اس وقت کے ماتم سے مضطر ہو کر بید کی طرح لرز رہا تھا اور اس کے کانوں کے گوشوارے ہلنے سے چہرے پر سبز چھوٹ پڑ رہی تھی۔ اور حالت یہ تھی کہ اس وقت سوائے فریاد و فغاں کے کسی کو اس بچہ کا خیال بھی نہ تھا کہ وہ خیمہ سے نکل کر کتنی دور پرے ہٹ گیا ہے۔ ہانی خضرمی نامی ایک ملعون ابن ملعون اور نطفۂ ناتحقیق نے اپنی انتہائی شقاوت اور قساوت قلبی سے موقعہ پا کر ایک تلوار اسکے سر پر ایسی ماری کہ وہ بے خطا معصوم زمین پر گر کر خون میں تڑپنے لگا۔ یہ دیکھتے ہی مظلوم کربلا جوان بیٹے کا غم بھول گئے اور ادھر جھپٹے لیکن قصائی اپنا کام کر کے

جہنمی لشکر کی طرف لوٹ چکا تھا۔ جوں ہی حضرت قریب پہنچے تو معصوم کو آخری ہچکی لے کر دم توڑتے دیکھا۔ گود میں اُٹھا لیا اور آسمان کی طرف سر بلند کر کے کہا "منتقمِ حقیقی! اس کے قاتل کو دوزخ کے طبقے میں جگہ دینا اس مردودِ ازلی نے اس بچہ کو قتل کیا ہے جو سہما ہوا الگ کھڑا تھا"

جناب شہربانوؑ

بعض راویانِ ضعیف نے یہاں بیان کر دیا ہے۔ کہ جناب شہربانوؑ اس بچے کے قتل پر روتی ہوئی خیمے سے باہر نکل آئیں یہ قطعاً غلط ہے اور اس سے مہمل، لغو، بے بنیاد اور سراپا بہتان وہ روایت ہے کہ بعد قتلِ مظلوم کربلا جناب شہربانو گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں کو چلی گئیں اور راہ میں اپنے بھائی شہریار سے ملیں جو فوج لیکر امام کی مدد کو آرہے تھے" بحور الغمہ جیسی از سرتاپا غلط روایات کی کتب سے اکثر مرثیہ گو حضرات نے ایسے مضامین نظم کر دیئے حالانکہ ان کا پڑھنا اور سننا قطعاً ممنوع ہے اسلئے کہ جناب شہربانو حضرت امام زین العابدینؑ کی والدۂ ماجدہ کا نام نامی ہے جو نوشیروان عادل کی نسل سے کسریٰ شاہِ یزدجرد کی صاحبزادی تھیں جن کا ذکر جناب میر افضل حسین صاحب ثابت لکھنوی نے اس طرح ایک شعر میں فرمایا ہے کہ ؎

عدل کا نوشیرواں کی آل کو یہ پھل ملا
بنتِ کسریٰ سیدِ سجادؑ کی ماں ہو گئیں

مجھے شعر کی نوعیت سے بحث نہیں، نہ میں نظم کی کسی کتاب پر تنقید لکھ رہا ہوں لیکن واقعے کے لحاظ سے نہایت صحیح ہے۔ جناب شہربانو سے ہی ایک فرزند نرینہ ہوئے لیکن ابھی چلہ بھی نہانے نہیں پائی تھیں کہ ہونے والے امام کو ۳۶ دن کا چھوڑ کر رحلت فرما گئیں۔ جناب سکینہؑ و علی اصغرؑ جناب اُمِّ رباب سے تھے اور جناب علی اکبرؑ

اور فاطمۂ صغرا دو مشہور اولادیں جناب ام لیلیٰ کے بطن سے تھیں۔ حضرت کی ازواج اور اولاد کی مکمل تشریح ہمارے سلسلے سے الگ ایک چیز ہے لیکن اس مغالطہ کو یہاں رفع کرنا ہے جو جناب شہر بانو کی نسبت ہے یہی دو بیبیاں جن کا ذکر کیا گیا کربلا میں موجود تھیں اور دونوں کو بانوئے دو عالم وغیرہ القاب سے لکھا گیا ہے بانو کا لفظ حضرت کی ہر بی بی کیلئے اسی طرح بولا جاتا تھا جس طرح ملکہ یا ملکہ بیگم ہماری زبان میں بادشاہ کی بی بی کو کہتے ہیں لفظ بانو سے لوگوں نے شہر بانو سمجھ لیا حالانکہ وہ "بانو" خطاب نہیں تھا بلکہ نام کا ایک جزو تھا۔

اس طفلِ نوخیز کی عمر چار یا پانچ سال کی لکھی گئی ہے اور صاحبِ ناسخ نے ان کو مظلوم کربلا کے صاحبزادوں میں گنا ہے اور عبداللہ ان کا نام بتایا ہے اور لکھا ہے کہ عبداللہ (رضیع) جو علی اصغرؑ کا نام بتایا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ اُس شش ماہے کا نام صرف علی اصغر تھا۔

بہر حال مظلوم کربلا اپنے ایک طفل نوخیز اور ایک اٹھارہ سالہ شیر کی دوہری دوہری لاشیں گنج شہیداں میں لٹا کر خیمہ کے سامنے زمینِ کربلا پر آ بیٹھے۔

قرۃ العین نبیؐ حسینؑ ابن علیؑ

لیجئے یہ شاہ کم سپاہ کا لشکر تھا جو صبح عاشور سے اسوقت قریب قریب نماز عصر تک ختم ہو گیا۔ بس یہ

مجاہدین راہ خدا تھے جو شمع امامت پر پروانہ وار نثار ہوگئے اور ایک ایک کرکے ۷۲ کا شمار پورا کر گئے۔ اِدھر بس امام ابن امام تنہا بہ نفس نفیس ہیں اور ادھر فوج مخالف میں اب بھی بہ اختلاف روایات کم سے کم ۲۰ ہزار خون کے پیاسے خنجر تیز کیے۔ آستین اُلٹے۔ کمانیں چڑھائے۔ ترکش لگائے ایک سید کے قتل پر کمر باندھے کھڑے ہیں۔ اُدھر دل بڑھانے کیلئے یہی صورت حال کیا کم ہے کہ بس ایک مجاہدِ راہ خدا باقی رہ گیا۔ اور ادھر دل توڑنے کے لئے داغہائے جگر ہی کیا کم تھے کہ ساتھ ہی ہزارہا دل شکن واقعات سامنے موجود ہیں بھوک اور پیاس سے دل گھُٹ رہا ہے۔ عزیزوں کا ماتم۔ انصار کا فراق، اپنی تنہائی خیمہ عصمت و طہارت کی بے پناہی۔ کشتگان راہ خدا اور اپنے قدموں میں جان دینے والے ایک طرف بے دفن و کفن ہیں۔ بھائی کی لاش کنار نہر پڑی ہے۔ بھانجوں بھتیجوں اور جوان بیٹے کی لاش دھوپ میں مرجھا رہی ہے بہنیں اور بیویاں لاوارث ہیں، جنگل اور کربلا کا جنگل ان دشمنوں سے بھرا ہوا ہے جن سے اپنے بعد بھی پسماندگان کے لئے کسی رحم کی امید نہیں۔ آہ یہ اور ایسے ہی صدہا روح فرسا خیال ہیں اور ایک تنہا امام نرغۂ اعدا میں گھرا ہوا ہے۔ یہ وہ مصائب و آلام و اسقام تھے۔ جو چشم فلک نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ آدمؑ سے لیکر خاتمؐ تک، خاتمؐ سے اس وقت تک اور اس وقت سے قیامت تک اِن مصائب کا عشر عشیر نہ کسی پر گذرا اور نہ گذر سکتا ہے۔ انسانوں کی تو ہستی ہی کیا ہے اگر جبل بوقبیس و کوہ حرا کی سنگلاخ چٹانوں پر ان مصیبتوں کا سایہ پڑ جاتا تو ان کے ذرات روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اُڑتے نظر آتے۔ آج دنیا کے تمام مذاہب اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ جو سب سے بڑی قربانی پیش کرے وہ سب سے بڑا رہبر ہے۔ پس آج تمام دنیا سے سوال ہے کہ کوئی رشی

مُنی۔ پیر۔ پیغمبر۔ مُصلح۔ مجدّد۔ نبی۔ وصی۔ پیدا کرو۔ بتاؤ۔ نام لو۔ کون ہے؟ کہاں ہے؟ کب تھا؟ کب ہوا؟ جو اس مظلوم کی پیش کردہ قربانیوں کے مقابلے میں صرف ایک ہی قربانی پیش کرے اور اگر دنیا عاجز رہے اور ہم کہتے ہیں کہ عاجز ہے تو بس پھر انصاف کا خون کیوں کیا جارہا ہے؟ حق کشی اور چشم پوشی کیوں ہے؟ تمام دنیا مِلکر کیوں نہیں اعلان کر دیتی؟ کہ بیشک حسینؑ ابن علیؑ سب سے بڑے رہبر کامل تھے۔ اور وُہی مذہب حق ہے جسکی جڑوں کو وہ اپنے خون سے سینچ کر اس کی شاخوں کو آسمان تک بلند کر گئے

صحیفۂ حقانیت

ہاں ہاں! یہ تو جو کچھ ظاہری آنکھوں سے پڑھا۔ اور دل کی آنکھوں سے دیکھا وہ محض کتاب حقانیت کا دیباچہ تھا۔ اصل صحیفہ تو اب کھلتا ہے جس کا ایک ایک لفظ بتائے گا کہ مظلوم کربلا نے حق و باطل کی راہ کو اپنے استقلال۔ اپنی اتمامِ حجت۔ اپنے ششماہے فرزند کی شہادت۔ اپنے خطبات۔ اور اپنے اشارات سے کس طرح واضح کر دیا تھا۔ اور کس کس طرح صراط مستقیم کے خطوط ایک ایک نگاہ کے سامنے کھینچ کر دکھائے تھے۔

پہلا مخاطبہ

اب حضرت امام ہمامؑ ایک ناقے پر سوار ہو کر لشکر شام کے سامنے آئے جس پر آپ نے کئی مرتبہ حج بیت اللہ کیا تھا اور فرمایا۔ میں اس لئے بلند قامت ناقہ پر سوار ہو کر آیا ہوں کہ ہر شخص مجھے دیکھ لے اور میری آواز کو دور تک سُن سکے هَل مِن ذابٍ یذب عن حَرَم رسول اللہ؟ (آیا تم میں) کوئی ایسا مددگار ہے جو حرم رسولِ خدا سے آفت کو دفع کر دے؟ ھل من موحد یخاف اللہ فینا (کیا تم میں) کوئی توحید پرست ایسا ہے جو ہمارے معاملہ میں خدا کا ترس کرے؟

ھل من مغیث یرجو اللہ فی اعاتنا؟ کوئی ایسا داد خواہ ہے کہ ہماری مدد میں رحمت خدا کو تلاش کرے؟ ان تین فقروں میں امام مظلوم نے جس طرح اتمام حجّت کیا ہے وہ اہل نظر و انصاف اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مگر افسوس مٹی کے پتلے اور بت پرستوں کے نطفے اس پر بھی پتھر بنے رہے ہاں آگ کے پتلوں کی حرارت غیر مشتعل ہوئی جس کا ذکر ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

جنوں کا مدد پیش کرنا

طریحی نے اپنے منتخب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت کے اس استغاثہ پر ہوا کے سناٹوں میں سے لبّیکَ لبّیکَ یا ابن رسول اللہ کہتا ہوا جنوں کا ایک پرا خدمت امام میں حاضر ہوا اور عرض کی یا ابا عبداللہ! ہم آپکے غلام حاضر ہیں۔ اگر حضور ایک اشارہ چشم فرمائیں تو ہم میدان مبارزت میں قدم زن ہو کر ان تمام کافروں کو آن واحد میں فی النّار کر دیں اور آپ کو معہ اہلبیت اطہار اپنے پروں پر سوار کر کے روضۂ رسالت مآبؐ پر پہنچا دیں۔ حضرت رحمتہؐ اللعالمین کے نواسے نے گردن جھکا کر آنسو بہائے۔ اور فرمایا۔ خدا تمہیں میرے انصار میں شمار فرمائے کہ تم نے مجھ پر رحم کھایا۔ مگر کیا تم حسینؑ کو مجبور سمجھتے ہو۔ میں تو صرف ان ملاعنہ پر حجّت خدا کو ختم کر رہا ہوں ورنہ تم جانتے ہو کہ میں اسی کا بیٹا ہوں جس کی تلوار نے کبھی ہزاروں اور لاکھوں کی پرواہ نہیں کی۔ مگر کیا کروں نانا رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کیونکر کر سکتا ہوں کہ میں نے ان حضرت کو خواب میں دیکھا کہ مجھے بھینچ بھینچ کر سینے سے لگا رہے ہیں۔ اور ما بین چشم و ابرو بوسہ دیکر فرماتے ہیں:۔ بیٹا حسینؑ! خداوند تبارک و تعالیٰ کی خواہش اور چاہت یہ ہی کہ تمہیں اپنے سر کے خون سے ڈاڑھی خضاب کرتے اور اس حالت

اپنے جسم کے خون میں لوٹتے دیکھے کہ قفا سے تمہاری گردن جدا کی گئی ہو اور تمہارے اہل بیت ایک رسی میں بندھ کر بے کجاوہ اونٹوں پر سوار ہوں۔ بیٹا! تم خود بھی درگاہ احدیت میں یہ سب وعدہ کر چکے ہو۔ اور میرے چاند! میں نے بھی اس کی تجدید اپنے حبیب سے کر دی ہے۔ اور جان جاں! یاد رکھنا کہ تمہاری شہادت پر جنت میں تمہارے لئے وہ درجہ پروردگار عالم نے مقرر فرمایا ہے جو اب تک ہر ملک مقرب اور نبی مرسل کی آنکھ سے پوشیدہ ہے۔

بیمار کربلا کا عزم میدان

ادھر مظلوم کربلا جنات کے گروہ سے رخصت ہو کر خیمۂ اہلبیت کی طرف وداع کے لئے بڑھے تو یہ دیکھا کہ وہ بیمار بیٹا جس نے کئی دن سے تپ شدید میں آنکھ نہیں کھولی تھی۔ اور جس کے لرزتے ہوئے بازو تلوار و سنان کا وزن برداشت نہیں کر سکتے تھے فرش بیماری سے اٹھ کر نیزہ سنبھالے عازم میدان جنگ ہے۔ اور اس کی پھپھی جناب زینبؑ اس کا دامن پکڑے زار و قطار رو رو کر فرما رہی ہیں کہ ہم پر اور اپنی جان پر رحم کرو۔ تم پر جہاد ساقط ہے۔ تم کہاں چلے حضرت زین العابدینؑ نے عرض کیا۔

پھپھی اماں! امام وقت کی آواز عالم بے ہوشی میں میں نے سنی ہے کہ وہ حرم رسولؐ سے مصیبت کو دفع کرنے کے لئے استغاثہ فرما رہے ہیں پس مجھ پر واجب ہوا کہ میں فرزند رسول کی اعانت کروں۔ اور جہاد کر کے اپنی جان ان کے قدموں پر نثار کر دوں۔ اس گفتگو نے امام پر جو اثر کیا وہ تو پروردگار عالم اور خود امام پر روشن ہوگا۔ لیکن آپ نے اپنی بہن کو ان الفاظ میں ندا دی "علی کی جائی! اپنے علی کو روک لو۔ ایسا نہ ہو کہ جہاں آج سب کچھ ہو چکا ہے۔ وہاں طبقۂ زمین آل محمدؐ کی نسل سے خالی ہو جائے۔ یہ سننا تھا کہ

جناب زینبؑ و ام کلثوم نے اپنے بھتیجے کو بامرار تمام پھر فرش علالت پر لٹا دیا اور اس بیمار کی آنکھیں پھر غش نے بند کر دیں۔

امام کا الوداعی سلام

اب بیکس و تنہا امام درِ خیمہ پر تشریف لائے اور فرمایا "سکینہؑ و زینبؑ و ام کلثوم تم پر اور تمام اہل بیت رسول پر حسینؑ کا آخری سلام ہو" یہ سننا تھا کہ خیمہ مطہر میں آواز الفراق والغیاث بلند ہوئی اور جناب فضہ نے آواز دی کہ "یا ابن رسول اللہ بچئے اور بیبیاں آپکے فراق میں تڑپ تڑپ کر جان دیدیں گی۔ اگر ایسی ہی مجبوری ہے تو آپ ایک ایک کو رخصت اور امر بصبر فرما کر تشریف لے جائیں لیکن ایک مرتبہ خیمۂ رسول میں ہوتے جائیں اور اپنی ماں کی خادمہ کو بھی اتنا موقع دیں کہ وہ ازسرتاپا آپ کی بلائیں لیلے۔ اور خاتون جناں کی وصیت بھی مجھے یہی تھی کہ جب میری گود کا پالا بابا کی امت کیلئے سر دینے جائے تو میری طرف سے اُسے گلے لگا کر سر و پا کو بوسے دینا" مظلوم امام کے لئے جہاں صبح سے اسوقت تک ہزار غم کے چرکے اور صدمات تازہ تھے وہاں اسوقت ماں کی خادمہ کی زبان سے یہ الفاظ جگر خراش صبر و ضبط اور ہوش و خرد رُبا تھے لیکن امام پھر امام تھا اور اس کو اس سے زائد مصائب پر اپنے صبر کی مہر لگانی تھی۔ بالآخر خیمۂ مطہر میں تشریف لے گئے۔

باپ بیٹی کا جانگداز مکالمہ

سب سے پہلے دوڑ کر اس دختر حیا ساز نے باپ کا دامن پکڑ لیا جسے سوائے آپ کے سینے کے نیند نہ آتی تھی۔ اور جس کے بغیر خود امام کو کوئی گھر پسند نہ تھا۔ امام علیہ السلام نے گود میں اٹھا کر پیار کیا اور اس معصومہ نے جس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی، ضبط کر کے کہا "بابا اگر آپ نے موت کے لئے کمر ہی مضبوط

باندھ لی ہے تو ہمیں اپنے نانا کے روضہ پہ پہنچاتے جائیے ورنہ یہ بتائیے
کہ اس جنگل وبر میں آپ اپنی بیٹی کو کس پہ چھوڑے جاتے ہیں۔ شہزادی کے
اس فقرے نے نہ صرف بادشاہ وقت سے خراج اشک وصول کیا۔ بلکہ
تمام اہل حرم کے لئے یہ فقرہ وہ مرثیہ ثابت ہوا جو باپ کے سامنے بیٹی نے
پڑھا۔ اور تمام خیمۂ مطہر میں واحُسیناہُ کا شور برپا ہو گیا۔ حق بھی ہے اور
واقعہ بھی یہاں انصاف طلب ہے کہ جب سول کی اٹھارہ سالہ بیٹی قبض روح
پدر کے لئے کسی طرح ملک الموت کو اجازت دینے پر ہرگز ہرگز رضامند نہ ہوتی
تھیں تو یہ چہار سالہ اللہ ہی کی پوتی کس صورت میں اپنے باپ کو مرنے کیلئے
جانے دے۔ دراں حالیکہ واقعات اور صورت حال میں زمین آسمان کے
فرق بھی موجود ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ اور واقفانِ حال پر سب
کچھ روشن ہے امام نے جو جواب فرمایا وہ خود اپنی زبان سے اپنے حال کا
مرثیہ تھا۔ فرماتے ہیں" نورِ چشم! وہ شخص مرنے کے لئے نہ جائے تو کیا کرے
جس کا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔ بیٹا! خدا کی نصرت اور اس کی رحمت تم سے
دنیا اور آخرت میں ایک ثانیہ کیلئے جدا ہونے والی نہیں ہے پس قضا و قدر
الٰہیہ پر صابر و شاکر رہو اور کسی امر کی شکایت سے زبان کو آشنا نہ ہونے
دو کیونکہ دنیا ایک سرائے فانی ہے اور دار آخرۃ ہی باقی اور رہنے کی جگہ ہے"
یہ فرما کر جو آپ نے اپنے پارہ جگر کو سینے سے لگایا تو دیکھا کہ پھول سے
رخساروں پر اشکوں کی شبنم کے موتی لڑی بنکر بہہ رہے ہیں جن میں
ننھے سے چوٹ کھائے ہوئے دل کے خون کی جھلک نمودار ہے۔ آپ نے
دامن قبا سے انھیں پونچھ کر فرمایا " رونا تو بیٹی اب تمہارے مقدر میں رہنے
اور مجھ پر تمہارا گریہ اسقدر طول پکڑیگا کہ بہت سے رونے والے تمہارے سامنے ذکر کے

قابل نہ رہینگے۔ لیکن! پارہ جگر! جب تک روح میرے جسم میں ہے اسوقت تک آنسو بہا کر میرا دل خون نہ کرو۔ ہاں میرے قتل کے بعد سب سے زیادہ تم ہی رو لینا اور یہ بھی بتا دوں کہ میرے لئے نوحہ کن الفاظ میں کرنا یہ کہنا آہ! اے تشنۂ فرات پر پیاسے ذبح ہونیوالے سید! کیا دادی فاطمہؑ نے چکیاں پیس پیس کر تجھے خنجر قاتل کے لئے پالا تھا۔ آہ! زیر خنجر اپنے نانا کی امت کو نہ بھولنے والے مظلوم کیا جد امجد اسی لئے تجھے کندھوں پر چڑھائے چڑھائے پھرتے تھے کہ قاتل تری پشت پر سوار ہو کر پس گردن سے تجھے ذبح کر دے"

امام کی زبان پر زمین نجد کا ذکر

آہ! یہ وقت تھا جب دہن رسولؐ میں پرورش پانے والی زبان موتی اگل رہی تھی اور اسرار کے خزانے واضح کر رہی تھی یہاں تک کہ جناب سکینہؑ نے اپنے بچپن سے پھر پہلی خواہش کی تکرار کرتے ہوئے فرمایا "اچھا تو پھر حرم رسول پر پہنچانے کے سوال پر آپ کیا جواب دیتے ہیں" حضرتؑ نے دل پر درد سے ایک آہ سرد کھینچکر فرمایا کہ اگر نجد جیسی ظلم سے لبریز زمین پر بھی قطا نامی پرند کو بریت کا پروانہ مل جائے تو وہ بھی شاید اپنے گھونسلے میں کچھ دیر کو سو جاتے لیکن بیٹیا تمہارے باپ اور نبیؐ کے بیٹے کو آج سرزمین نینوا پر اتنی بھی فرصت نہیں۔ ہاں تم میں سے جس جس کی تقدیر میں روضۂ نبوی کی زیارت لکھی ہے وہ میرے بیمار قافلہ سالار کی سرپرستی میں وہاں جا پہنچے گا۔

جناب رباب و ام لیلیٰ کو امر الصبر

اب والدۂ ماجدۂ جناب سکینہؑ و علی اصغر یعنی ام ربابؑ دختر امراء القیس جناب ام لیلےٰ والدۂ ماجدۂ علی اکبرؑ و فاطمہ صغریٰ کا ہاتھ میں ہاتھ پکڑے ہوئے قدم امام کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا "ہم دونوں کنیزوں کے

لئے ہمارے سرتاج کا کیا حکم ہے۔" فرمایا "میں تمہیں صبر کی وصیت اور اسی کا حکم کرتا ہوں میرے بعد شہدا کے یتیم اور ان کی بیوائیں سب تمہارے حوالے ہیں ان کے حقوق ہم سے کسی طرح ادا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انکے والی انکے وارث اور ان کے محافظ خون میں نہائے اور خاک کا کفن پہنے گنج شہیداں میں لیٹے ہیں۔ تم انکی حفاظت کرنا اور خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہے۔" دونوں عالم کی شہزادیاں یہ کلام حسرت سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں اور اس حالت میں سر سے چادریں اتر جانے سے بیوگی کا نوحہ پڑھا۔

بہنوں کی رخصت بھائی سے

اب جناب زینبؑ و جناب ام کلثوم دونوں امام زادیاں اپنے امام بھائی کے دامن سے لپٹ گئیں۔ جناب ام کلثوم کی تو ہچکی بندھی ہوئی تھی لیکن فاطمہؑ کی دوسری صابرہ بیٹی کا امتحان چونکہ اب شروع ہونیوالا تھا اسلئے انہوں نے بمشکل کلیجہ سنبھال کر ماں جائے سے کہا: "خامس آل عبا! کیا یہ امر مشیت خالق میں آج اور اسی وقت کیلئے گذر چکا ہے کہ پنجتن پاک کا خاتمہ ہو جائے۔ بھیا! اگر یہی ہونا ہے تو بہنوں کو اس جنگل میں کس پر چھوڑے جاتے ہو؟ آپکے بعد اشقیا جو ظلم ہم پر روا رکھیں گے۔ ان میں ہمارا مددگار کون ہوگا؟ آپکے بغیر اور آپ کے بعد آخر ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ بولو! بولو! بولو! علیؑ کے پیارے! فاطمہؑ کے دلارے! آخر کچھ تو جواب دو" یہ فرما کر جناب زینبؑ نے دامن چھوڑ کر گلے میں باہیں ڈال دیں اور خوب دل کھول کر روئیں۔ بیکس امامؑ بھی سر جھکائے دیر تک روتا رہا اور بہن کی ردا سے اشک خونی پونچھ کر فرمایا:

ماں جائیو! تم دونوں کے رونے سے میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ نانا رسول اللہ جیسے شفیق سرپرست کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ہم جیتے رہے یا نہ

سیدۂ عالمؑ سے یہ داغ نہ اٹھ سکا اور وہ ہمیں چھوڑ کر خود اپنے بابا کے پاس خلد میں تشریف لے گئیں تو ہم نے کیا کر لیا؟ بابا کا زخم سر تین دن آنکھوں سے دیکھتے رہے اور آخر انھیں سپردِ خاک کرنا پڑا۔ بھائی حسن امام بھی تھے اور تمہیں مجھ سے کم عزیز نہ تھے آخر انکے جگر کے ٹکڑے تم نے اور ہم نے طشت میں گنتے اب حسب ترتیب اگر دربار خدا میں میری طلب ہے تو دامن صبر کو کیوں ہاتھ سے چھوڑنا چاہیئے۔ میرے بعد میرا سجادؑ میرا جانشین ہے امامت اسکی طرف منتقل ہو رہی ہے اور خدا کی حجت تمہارے ساتھ ساتھ ہے پھر تمہیں کیا فکر ہے میرے بعد تمہارا اور اس کا امتحان شروع ہے۔ اور میں ہر طرح امید رکھتا ہوں کہ میری طرح نہ وہ جادۂ صبر سے ہٹیگا اور نہ تم شکایت سے لب آشنا کرو گی۔ دنیا چند روزہ ہے۔ اسکی تکالیف ایک ایکدن ختم ہو کر رہینگی۔ اسکے بعد ہمارا اور تمہارا دائمی ملجا و ماویٰ جوار رحمتِ الہٰیہ ہے جہاں ہم سب ایک جگہ ملکر بیٹھیں گے اور پھر کوئی ہمارے اور تمہارے عیش میں مخل ہونیوالا نہیں۔"

فاطمہ کبریٰ کو وصیّت

اب امام علیہ السّلام نے اپنی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہؑ کبریٰ کو غش سے بیدار کیا جو جواں مرگ بھائی کا لاشہ دیکھنے کے بعد اب تک عالم بے ہوشی میں پڑی تھیں عجب قیامت کا وقت تھا کہ ایکغم دوسرے غم کو بھلائے دیتا تھا۔ بیٹی نے آنکھ کھولکر اب باپ کو آمادۂ مرگ پایا مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتیں امام علیہ السّلام نے خود سبقت فرما کر بیٹی کے دل پر صبر کی مہر لگانے کے لئے یوں مخاطب کیا "فاطمہ! باپ کی دلاری! علی اکبر کی جگہ سجھو تو اور باپ کی جگہ خیال کرو تو اب زین العابدینؑ ہی تمہارے بھائی اور امام مفترض الطاعہ ہیں۔ میرا وقت آج نہ آتا تو کل آتا۔ ذائقہ موت ایک مرتبہ ہر نفس کو چکھنا لازمی ہے اب غم کو تو بھول جاؤ اور فرائض پر غور کرو بیٹیا! تم پر

آج کار امامت میں ایک مدد لینی ہے۔ تم امام کی بیٹی۔ امام کی پوتی اور تھوڑی دیر بعد امام کی بہن بننے والی ہو۔ لو یہ ایک وصیت نامہ اور ایک صحیفہ ہے جب تمہارے بھائی غش سے بیدار ہوں اور امامت کا تاج دستِ قدرت اُن کے سر پر رکھدے تو یہ دونوں امانتیں اُن کو سونپ دینا اور ہمارا سلام اُن سے کہنا۔

جامہ کہنہ کی طلب

اب حضرت نے سر جھکائے ماں کی خادمہ دیرینہ کو زار و قطار روتے دیکھا تو فرمایا فضہ یہ کیا حال ہے؟ بی بی اور امام زادیاں صبر کر رہی ہیں تو کیا تم ان کی تقلید نہیں کروگی؟ حالانکہ سورہ دہر اہلبیتؑ کی طرح تمہاری ثنا میں بھی رطب اللساں ہے۔ ہاں آخری خدمت جو تم سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ فرسودہ و کہنہ ایک جامہ میرے لئے لاؤ تاکہ میں سلاح جنگ کے نیچے اپنی ستر پوشی کیلئے پہنوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ اشقیا میرے جسم پر زرہ بکتر بھی نہ چھوڑینگے" جناب فضہؑ نے تبرکات کی ایک بقچی جناب زینبؑ کے سامنے لاکر رکھی اور بہن نے اپنے بھائی کیلئے ایک بوسیدہ قمیص نکالا حضرت نے فرمایا کہ یہ شلوکا میرے جسم پر تنگ ہوگا۔ میں اس سے ذرا فراخ چاہتا ہوں چنانچہ علیؑ کی جائی نے ایک اور پرانا ملبوس پیش کیا جو جناب رسولؐ خدا کے جسم سے مس ہونے کا شرف رکھتا تھا حضرت نے باوجود اس کی کہنگی کے اُسے اور جگہ جگہ سے چاک کیا تاکہ کسی کی نظر اس کی طرف لالچ سے نہ پڑے۔ لیکن افسوس انجامِ احتیاطِ حسینؑ دل کے ٹکڑے کئے دیتا ہے کہ اس ٹکڑے ٹکڑے لباس کو بھی اعدا نے اپنی قساوتِ قلبی سے نواسۂ رسولؐ کے جسم پر نہ چھوڑا۔

اہل حرم سے رخصت

اب بتولؑ کی گود کا پالا اور جناب رسالتمآبؐ کے شانوں پر سوار ہونے والا اسلاح جنگ سے آراستہ ہوکر جناب فضہ کی طرف رخصتِ آخر کو بڑھا۔ اُس خادمہ سیدۂ عالمؑ نے دوڑ کر بلائیں لیں

اور عرض کیا" شہزادی کے جائے! ایک ایک کی حسرتِ دل آپ کی رخصت میں کیا حقہ کیونکر نکلیگی۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم سب ایک حلقہ باندھکر کھڑے ہو جائیں اور آپ ہمارے درمیان میں سے نکل جائیں۔ مظلوم کربلاؑ نے منظور فرما کر ایسا ہی کیا اور گویا زندہ بکیس کا تابوت گھر سے نکل رہا تھا۔ بیبیاں اور بچے دامن پکڑے ساتھ ساتھ درِ خیمہ تک روتے اور فریاد کرتے ہوئے آئے۔ دل کا سہارا جا رہا تھا اسلیئے سب دل پکڑ پکڑ کر بیہوش ہو گئے اور امام راہِ خدا میں قدم بڑھاتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ اور متوجہ راہوار ہوئے۔

ذوالفقار اور ذوالجناح یہ دونو نام علی الترتیب مظلومِ کربلا کی تلوار اور رہوار کے مشہور ہیں اور تمام مراثی ان کے ذکر سے پُر ہیں اور اسقدر ان کی آوازیں مومنین کے کانوں میں گونج رہی ہیں کہ ان کے متعلق حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے خوف ہے کہ حقیر مؤلف کے بیان کا یقین کیونکر کیا جائیگا۔ لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ اس حصۂ ثانی مقتل سادات کی طباعت میں زیادہ تاخیر اسی باعث سے ہوئی کہ اس میں اختلافات بہت تھے۔ بہرحال مجھے جو کچھ لکھنا ہے حق حق لکھنا ہے اس میں باک نہیں۔ یقین اور عدم یقین مومنین کے قلوبِ باصفا سے متعلق ہے۔ سوائے مراثی کے آپنے کبھی کسی متدین عالم مذہب حقّے سے بھی نہیں سنا ہوگا کہ امام حسینؑ نے ذوالفقار سے جہاد کیا ہو۔ ذوالفقار جسکے متعلق وَ اَنْزَلْنَا لَہُ الْحَدِیْدُ۔ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ" الفاظِ کلامِ خدا قرآن مجید میں موجود ہیں وہ اُحد میں اسلیئے نازل ہوئی تھی کہ دشمنانِ دینِ خدا کی جڑ بنیاد کاٹ دے۔ مظلوم کربلا مقام اظہار صبر میں تھے۔ نانا کی امت کا ستھراؤ کرنے کربلا میں نہیں آئے تھے۔ اگر ذوالفقار کا استعمال کربلا کے میدان میں فرماتے تو احد کی طرح تمام کفار قتل ہو جاتے اسلیئے کہ ذوالفقار خدا کی بھیجی ہوئی معجز نما تلوار تھی اور

اُسکے سامنے تمام عالم بھی اگر مقابل ہوتا تو سوائے عجز کے چارہ نہ تھا۔ چنانچہ اُحد کے بعد سے وہ جس طرح غلاف میں رکھی گئی۔ تابوتِ سکینہ کی وساطت سے اسی طرح امام عصر عجل اللہ فرجہ کی خدمت میں موجود ہے امام جب اُسے لیکر ظہور فرمائیں گے تو تمام دنیا کے تخت و تاج اُن کے قدموں میں ہوں گے اور کسی کو مقابلہ کی تاب نہ ہو گی۔ امام مظلوم نے جس تلوار سے کربلا میں جہاد کیا وہ ایک عام تلوار تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جناب امیرؑ کے دستِ حق پرست میں رہنے کا شرف اُسے بھی حاصل ہوا۔ جناب سیدہؑ کے متبرک ہاتھوں سے اس کی بھی تطہیر ہوئی۔ اس لحاظ سے اُس کے شرف اور منزلت میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے اسی طرح راہوار کا نام احادیث واخبار و تواریخ کی کسی معتبر کتاب میں ذوالجناح نہیں ہے ممکن ہے کہ کسی اور جنگ میں اس نام کا مرکب کہیں استعمال ہوا ہو لیکن کم از کم میدان کربلا میں اس نام کا کوئی راہوار نہیں تھا بلکہ امام حسینؑ نے یوم طف میں صرف دو سواریاں استعمال کیں۔ ایک ناقہ تھا جسکا نام مُسنّات تھا اور ایک جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسپ باوفا مُرتجز نام تھا جو آج صبح سے ان کے نواسے کی خدمت اپنی ضعیفی میں جوانوں کی طرح انجام دے رہا تھا اور آخر وقت تک جو حق وفاداری اُس نے ادا کیا۔ اسی کے باعث مومنین کے دل آجتک اس کی ٹاپوں میں پسے جاتے ہیں۔ نام زبانوں پر خواہ کچھ ہو مگر ان کی مراد صرف اس رہوار سے ہوتی ہے جو تبرکات امام کا حامل اور قاصد بن کر خبر شہادت در خیمۂ اہلبیت پر لے گیا۔

امام کی سواری

اب مظلوم کربلا خیمہ سے باہر تشریف لائے تو مُرتجز کو اسی طرح گردن جھکائے اور آنکھوں سے اشک بہاتے دیکھا جس حالت میں حضرت اُسے درِ خیمہ پر چھوڑ گئے تھے۔ امام نے یمین و یسار نگاہ کی تو تمام میدان کو اُن جاں نثاروں سے خالی پایا جو ہر وقت رکابِ نصرت میں حاضر تھے

اور کبھی سوار نہ ہونے دیتے تھے جبتک ان میں سے کوئی نہ کوئی رکاب گردانی نہ کرتا تھا۔ جناب زینبؑ نے بھائی کی مایوسی اور تنہائی کو دیکھکر ندا دی "راکب دوش رسولؐ! رکابداری کی خدمت کو کوئی نہیں تو اپنا دل نہ کڑھانا رسولؐ کی نواسی ابھی زندہ موجود ہے اور وہ بھائی کا دل میلا نہیں ہونے دیگی" بہن کی محبت پر حضرت نے آنسو بہائے اور فرمایا۔

"ماں جائی! میری زیست میں باہر نہ آنا۔ ورنہ تم تو وہ ہو جس کی سواری کے لئے عباسؑ و علیؑ اکبر کے بازو جھکے رہتے ہیں، بنت علیؑ یہ میری مجبوریاں ہیں جن کی بدولت سب کچھ سننا پڑ رہا ہے" یہ فرما کر لجامِ فرس اٹھائی اور میدان کی طرف رُخ کرنا چاہتے تھے لیکن راہوار نے جنبش نہیں کی۔

یہ پہلی تعجب خیز بات تھی جو حضرت کے تجربہ میں آئی۔ فرمایا "اسپ باوفا! تو نے کبھی حسینؑ کے اشارے کا انتظار نہیں کیا بلکہ خواہشِ قلب پر تیرے قدم اُٹھتے رہے ہیں آج آخری سواری میں یہ کیا معاملہ ظہور میں آرہا ہے" رہوار نے گردن سے اپنے قدموں کی طرف اشارہ کیا اب جو حضرت نے جھک کر دیکھا تو سینے پر سونے والی بیٹی کو رہوار کے قدموں سے لپٹے اور آنسوؤں کی لڑیاں بہاتے پایا۔"

اعجازِ امام رہوار سے اترتے ہی حضرت نے بیٹی کو گود میں اٹھایا اور فرمایا "بیٹیا! میں تو تمہیں امر صبر کر کے خیمے میں چھوڑ آیا تھا۔ ابھی تو میرا پاؤں رکاب شہادت میں اچھی طرح پہنچنے بھی نہیں پایا کہ تم نے سب کچھ فراموش کر دیا۔ بیٹیا! اگر یہی بے صبری دکھاؤ گی تو کوفے کی منزلیں اور زندانِ شام کی بلاخیز راتیں کیونکر کاٹو گی۔ جناب سکینہؑ نے یہ پدر کا فرمان سنتے ہی اپنے قلب میں مواج جذبات کا ایک سمندر جوش زن پایا لیکن ضبط کر کے عرض کیا "بابا جن امور کی آپ نے فہمائش کی ہے ان میں اگر خدا کو منظور ہے تو آپ مجھے صابرات میں سے پائیں گے لیکن

اسوقت جس چیز نے مجھے آپ کے راہوار کے قدموں پر گرنے کے لئے مجبور کیا
کس زبان سے عرض کروں وہ پیاس کی شدت کا وہ آخری درجہ ہے جو اَب
مجھسے برداشت نہیں ہوسکتا اور باوجود اس کے کہ مجھے پانی نہ ملنے کا یقین کامل ہے
اس پر بھی مجھے اس تکلیف مالایطاق کا اظہار اسلئے کرنا پڑا کہ آپ امامِ وقت ہیں
میرے لئے صرف اتنی دعا ہی فرمادیں کہ پروردگارِ عالم اپنی رحمت سے میری پیاس
بجھادے اور اس کا احساس ہی مجھسے اُٹھادے ورنہ میری بشریت اب اس کا مقابلہ
کرنے سے عاجز ہے" امام علیہ السلام کے قلب پر ایک چہار سالہ بیٹی کے اِس سوال
سے جو گذری ہو۔ ہم اس کا اندازہ اگر لگانا بھی چاہیں تو غیر ممکن ہے۔ لیکن ایسا
کچھ عالم آپ پر طاری ہوا کہ جوان بیٹے۔ جوان بھائی۔ بھانجوں اور بھتیجوں نیز
اپنے طفل ششماہہ کیلئے جو کچھ نہیں کیا تھا وہ گھوڑے کے قدموں پر گر کر سوال
کرنے والی اس بیٹی کیلئے کرنا پڑا۔ جواب نہ بَنْ پڑا گود میں اٹھا کر پشتِ خیام
اہلبیت پر لے گئے تا کہ چشم فلک، باپ اور بیٹی کے علاوہ اور کوئی نہ دیکھ سکے
چنانچہ جناب سکینہؑ کی روایت بتاتی ہے کہ مظلوم کربلاؑ نے زمین میں اپنا نیزہ
زور سے گاڑ کر جب کھینچا تو فخرِ اسمٰعیلؑ کے اس فعل سے ایک چشمۂ زمزم یادگار اُبلنے
لگا اور یُفَجِّرُوْنَ تَفْجِیْرًا کی شہادت دینے لگا۔ امام نے فرمایا "بیٹا! آج کم ازکم
اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ ہاتھ بڑھاؤ اور ایک دو چلو سے اپنی پیاس بجھالو" ۲ے
گھنٹے کی پیاسی بچی جس شوق اور عجلت میں اس کی طرف لب تمنا کھولے ہوئے
بڑھی ہوگی اس کا اندازہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے۔ لیکن مظلوم کربلاؑ نے فرمایا:۔
"پارہ جگر! پانی پینے سے پہلے ایک بات اور سُن لو۔ پروردگارِ عالم نے دو چیزیں اس
وقت تمہارے اختیار میں دی ہیں ایک اس وقت اپنی پیاس بجھالینی اور دوسرے
روزِ حشر اپنے جدِ امجد کی امت کی لڑکیوں کیلئے درگاہِ احدیت میں شفاعت

کرنی۔ ان میں سے ایک چیز پسند کرلو" پیاسی شہزادی چلّو بھر کر لبہائے خشک تک لاچکی تھی۔ لیکن امت رسولؐ کی بیٹیوں کا نام سنتے ہی پانی زمین پر پھینک دیا اور کہا بابا! مجھے پیاس سے مرجانا گوارا ہے مگر اتنا گرانقدر پانی نہیں پی سکتی ہوں اور نہ وہ قیمت ہاتھ سے دیسکتی ہوں" شفاعتِ دختران امت مرحومہ کا عہدۂ جلیلہ ملنے کی خوشخبری زبان امامت سے سنکر جناب سکینہؑ کو اپنی پیاس اس قدر فراموش ہوئی کہ پھر اس شکایت کا حرف بھی زبان معصومہ پر نہیں آیا۔ حضرت نے لاڈلی بیٹی کو خیمے میں پہنچا کر ٹھوکروں سے لگے ہوئے پانی کا چشمہ قدم کے اشارہ سے بند کیا اور امتحان گاہِ صبر کی طرف گھوڑا بڑھا کر میدان میں جا پہنچے۔

شہدائے سے مخاطبہ

بیکسی اور تنہائی امام کے ہم کاب تھی ایک طرف اب بھی بہ اختلاف روایات کم از کم چالیس ہزار فوج یکہ و تنہا کو شہید کرنے پر تلی ہوئی تھی ایک طرف انصار واقربا کے لاشے پڑے تھے۔ حضرت نے چاروں طرف نگاہِ حسرت و یاس ڈالی اور گنج شہیداں کی طرف رُخ کرکے اس طرح استغاثہ فرمایا "حبیبؑ ابنِ مظاہرؑ مسلم ابن عوسجہؑ۔ زہیر ابن القینؑ۔ ہلال ابنِ نافع۔ داؤد ابن طرماحؑ یحیٰی ابن کثیرؑ۔ تم سب اصحاب وفا کس خواب میں مستغرق ہو۔ اے ابطال صفا اور اے فارسانِ ہیجا۔ اے میرے دلیرو۔ اے فوج خدا کے شیرو! تم سب کہاں چلے گئے؟ میں نام بنام تمہیں پکار رہا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔ میں تم سے التماس کرتا ہوں اور تم میری آواز کو نہیں سنتے، تمہارے امام کی مظلومیت اور تنہائی تم سے مرافعہ کر رہی ہے اور تم خاموش ہو۔ ہاں ہاں! میں سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم پر کچھ ایسی ہی بن گئی ہے کہ تم نے میری نصرت و اعانت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ آہ! اب کون ہے جو میرے استغاثہ پر لبیک کہے"

استغاثۂ امام کا اثر

امام کے اس استغاثہ پر ملائک نے تسبیح و تحلیل بند کردی

شجر و حجر سے لبیک یا ابن رسول اللہ کی آوازیں بلند تھیں۔ پرندوں نے ہر چہار طرف سے جمع ہو کر سلیمانِ کربلا پر سایہ کر لیا۔ جنگل کے وحشی ہرن اپنی اپنی چراگاہوں سے منہ موڑ کر متوجہ صدائے امام ہو گئے۔ خیمۂ رسولؐ سے ایک گریہ وزاری کی آواز پیدا ہوئی۔ یہانتک کہ طفلِ ششماہہ جناب علیؑ اصغر نے ہمک کر اپنے آپ کو گہوارے سے نیچے گرا دیا۔ جو گویا اس امر کا اشارہ تھا کہ اگر بڑے علیؑ نے آپ پر جاں نثاری کر دی تو کیا ہوا ابھی آپ کا چھوٹا علیؑ آپ کی مدد اور جاں نثاری کو حاضر ہے۔ یہانتک کہ امام علیہ السلام فریاد وزاریٔ اہلبیت سن کر خیمے کی طرف واپس تشریف لائے اور دروازے پر آواز دے کر سبب نوحہ غم دریافت کیا۔ جناب فضہ نے کہا "شہزادے! آپ کا استغاثہ سنکر علی اصغرؑ نے اپنے آپ کو گہوارے میں سے گرا دیا۔ پیاس سے نبضیں ساقط اور زبان اینٹھی ہوئی ہے" مظلوم کربلا نے کہا "اُمِّ رباب سے کہو علی اصغرؑ کو میری گود میں دو کہ میں ساقیٔ کوثر کا واسطہ دیکر اس طفلِ صغیرؑ کیلئے فوجِ جفا کار سے پانی کا سوال کروں۔ شاید ان کوفیوں کا دل پگھلے اور وہ بچہ سمجھکر علی اصغرؑ کو پانی پلا دیں۔

چمنستانِ محمدؐ کا

شگوفۂ ناشگفتہ

اٹھارویں ۱۸ کلی

علی اصغر ابن الحسینؑ دنیا والو! آج میدان کارزار میں اسوقت وہ دلیر اور منچلا ششماہہ مجاہد ہزاروں قصائیوں کی چھریوں کے سامنے ہنستا اور ہمکتا ہوا

جا رہا ہے جس کی مثال تمام دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی۔ صبح سے اس وقت تک جتنے مجاہد میدان کارزار میں آئے انھوں نے قتل بھی کیا اور خود بھی قتل ہوئے۔ مگر یہ وہ مجاہد ہے جس نے غصے سے کبھی کسی کو انگلی بھی نہیں لگائی۔ تیوری چڑھا کر کسی کو دیکھا بھی نہیں۔ بلکہ دوست و دشمن جس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا یہ مسکراتا ہوا اس کی آغوش میں چلا گیا۔ لیکن آج باپ کی نصرت میں اس کی آستینیں چڑھی ہوئی ہیں۔ امام کے کانپتے ہوئے ہاتھ اس کا مرکب ہیں۔ جُتی بھنویں اس کے دو نیچے ہیں۔ اور مظلوم باپ نے اسکو میدان جنگ کے لئے بقول انیس اس طرح سنوارا ہے کہ ؎

بنا کے شکل مجاہد کی لے چلے حضرت — الٹ دیا علی اصغرؑ کی آستینوں کو

دنیا ہزار پلٹے کھائے۔ لاکھ شاعر پیدا ہوں لیکن یہ تصویر کشی جس کے حصہ کی تھی وہ قلم توڑ گیا اور قلم کی طاقت ختم کر گیا نہ اب ایسی تصویر کوئی کھینچیگا اور نہ ایسا مجاہد روئے زمین پر پیدا ہوگا۔

قرآن سے مماثلت

دھوپ کی شدت سے اسوقت پتھر پگھلے جا رہے تھے اُس مُنہ بند کلی کا تو ذکر ہی کیا ہے جس نے باد سموم تو کجا خزاں کا جھونکا بھی کبھی برداشت نہ کیا تھا امام علیہ السلام نے دامن قبا رُخ علی اصغرؑ پر ڈھانپ دیا اور اس شکل سے اپنی آخری کمائی دربار رب الارباب میں بھینٹ چڑھانے چلے فوج کفار نے علی اصغرؑ کے شلوکے پر دامن قبائے امام دیکھ کر یہ سمجھا کہ حضرت اب اپنی تنہائی سے عاجز اور اپنے قتل کا یقین کر کے صلح کے لئے قرآن معہ جزدان قبا میں لپیٹے لا رہے ہیں اور اس کے واسطے سے اپنی مدد اور جان بخشی چاہتے ہیں۔ ان بولتے ہوئے پتھروں کو کیا خبر تھی کہ وہ قرآن ناطق کا پارۂ جگر ہے جو اپنے بابا کی حمایت میں جان دینے آ رہا ہے اور جس پر دشمنوں کو بھی قرآن کا دھوکا ہو رہا ہے

بہر حال چند فرعون بے سامان لپنے زعم باطل ہیں زبانِ امام سے عجز و انکسار
کے الفاظ قریب سے سننے کیلئے اپنے اپنے مرکب بڑھا کر آگے آئے اور انکے پیچھے
شیاطین کی پیادہ فوج بھی آگے کو رینگی۔ حضرت نے یہ دیکھکر طفلِ صغیر کے چہرے
سے دامن قبا کو ہٹا دیا۔ سورج کی کرنوں نے اپنا رُخ شرما کر آڑا کر دیا۔ جلتی ہوئی
گرم ہوا قریب آکر تھم گئی اور علیؑ کے پوتے کا جلوہ دیکھکر کافر بھی مبہوت ہو گئے
حضرت نے فرمایا " اے قوم جفا کار ہیں تمہارے نبیؐ کا نواسا اور یہ طفلِ صغیر ساقیٔ کوثر
کا پوتا ہے۔ اگر تمہارے زعمِ ناقص ہیں ہیں نے کوئی گناہ کیا ہے تو اس بچّے کا کیا
قصور ہے کہ تین دن سے اس پر پانی بند ہے آل معاویہ کے دوستو تم آلِ رسولؐ
سے دوستی نہ کرو مگر بچّے سے دشمنی تو کسی مذہب ہیں روا نہیں۔ اِسکی ماں کا
دودھ بھی خشک ہو گیا ہے ورنہ مجھے سوال کی ضرورت پیش نہ آتی۔ شمر تو یہاں موجود
ہو گا اُس سے دریافت کر لو کہ ہم نے تو زمانۂ اقتدار ہیں بھی دشمنوں تک پر بھی پانی
بند نہیں کیا۔ اور یہ تو ہر نگاہ ہیں معصوم ہے۔ پانی کے دو قطروں سے اس کا خشک
گلا تر ہو سکتا ہے اور اس سے بہتے ہوئے دریا ہیں کمی نہیں آجائیگی۔

حضرت علی اصغر کا رجز

جب حضرت کے جواب ہیں کوئی آواز بلند نہ ہوئی تو آپ نے اپنے بچے کو چھاتی سے لگا کر کہا۔

بیٹا! تم بھی تو حجت الٰہی کے فرزند ہو ان اشقیاء پر حجت تمام کر دو۔" یہ سننا
تھا کہ ششماہے مجاہد نے باپ کی آغوش سے سر بلند کر کے فوجِ شقی کو دیکھا اور
اپنا چہرہ اشقیا کو دکھایا یہی اس مجاہد کا رجز تھا۔ جس کی تشریح یہ ہو سکتی ہے۔" دیکھ لو
مجھے اچھی طرح دیکھ لو! ہیں علیؑ کا پوتا اور حسینؑ کا بیٹا ہوں۔ بابا پر جو ظلم تم نے توڑ رکھے
ہیں جب وہ مجھ سے نہ دیکھے گئے تو خود میدان جہاد ہیں آکر یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ایک
بچے کی زبان نے جناب یوسفؑ کی بے گناہی پر شہادت دی تھی اور ملکِ مصر کے باشندوں

نے اسکی تکذیب نہیں کی تھی۔ ایک طفل یعنی جناب عیسیٰؑ نے اپنی ماں کی پاکدامنی پر گہوارے میں گواہی دی تھی اور پھر سب معترضین نے سرِ تسلیم خم کر کے جناب مریمؑ کی بے گناہی اور حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔ میں آج اسی طرح اپنے باپ کی بیگناہی اور اس کی امامت پر گواہی دینے آیا ہوں۔ نطق سے بھی عاجز نہیں ہوں، لیکن تمہاری شقاوت کو جانتا ہوں کہ تم اس پر بھی میری تکذیب کرو گے۔ اور اس کا نتیجہ قہرِ الٰہی ہے۔ لیکن یہ رحمت اللعالمین کے فرزند اور میرے باپ کو منظور نہیں اس لئے میں نے تین بار اپنا سر اٹھا کر تم پر حجت کو تمام کیا اور گویا بزبانِ بے زبانی یہی میرا رجز ہے۔

جہاد اور شہادت

یہ جلوہ فرزندِ صغیر ایسا جلوہ نہ تھا کہ قصائیوں کی آنکھیں جب صبر اور ضبط سے دیکھ سکتیں۔ اکثر قوی القلب سپاہیوں کی آنکھوں میں خون کے آنسو بھر آئے۔ لیکن چونکہ کوئی جواب نہ آیا اسلئے رجز کے بعد اب جہاد اور حملہ کی ضرورت تھی اور مجاہد کو آج پوری طاقت اس میدان میں دکھانی تھی۔ جہاں اس کے چچا زاد، پھپھی زاد اور حقیقی بھائیوں نے شجاعت کے کرشمے دکھائے تھے۔ اسلئے ششماہے مجاہد نے بھی تیغ زبان غلافِ دہن سے نکالی اور ابھی خشک ہونٹوں کی سان پر اُسے رکھکر پھرایا تھا کہ بڑے بڑے شجاعوں کے دل کٹنے اور خون ہونے لگے اور بعضوں کی آواز گریہ میں گویا صدائے الامان بلند تھی یہ دیکھتے ہی ننھے سپاہی کو جدِ امجد کی امت پر رحم آگیا۔ اور تیغ بے آب کو آبدار بنائے بغیر غلاف دہن میں رکھ لیا اب کیا تھا عمر سعد نے رنگ بے رنگ دیکھکر حرملہ بن کاہل اسدی کو اشارہ کر کے کہا :- اِقْطَعْ کَلَامَ الْحُسَیْنِ ۰ کیا دیکھتا ہے۔ حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے۔ بدبخت ازلی نے تیر سہ پہلو جوڑا۔ اُدھر کمان کڑکی ادھر چھوٹے سپاہی نے باپ کے ہاتھوں پر تھا تھ بدلا۔ حسینؑ نے بھی بچے کو

چھاتی سے لگانا چاہا لیکن مجاہد کا جہاد ختم ہو چکا تھا بیٹے کے حلقوم اور باپ کے بازو کا وصال ہوتے ہی بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔

ناقۂ صالحؑ سے تشبیہ

نورِ چشم زائل شدہ باپ نے اپنی آنکھ سے یہ سب کچھ دیکھا اور بازو شکستہ باپ نے اپنے ہاتھ سے تیرِ سہ پہلو حلقومِ علی اصغرؑ سے کھینچا۔ خون کا فوارہ ہمراہ پیکان برآمد ہوا۔ حضرت نے کمالِ صبر کے جوہر دکھاتے ہوئے بچّے کا گرم گرم لہو اپنے چُلّو میں لیا اور فرمایا:۔ "پروردگارِ عالم جو کچھ ہو رہا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے اور جس راہ میں اس وقت میں گامزن ہوں اس کی منزلیں تیری ہی رحمت سے آسان ہو رہی ہیں۔ مگر اس سنگین واقعہ پر تجھے گواہ کرتا ہوں۔ منتقمِ حقیقی! یہ میرا بچہ ناقۂ صالح سے کم نہیں۔ لیکن نانا کا قدم جب تک درمیان ہے اور میرے دم میں جب تک دم ہے۔ میں ان کی امت پر عذاب نہیں آنے دونگا۔"

جنابِ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ میرے جدِ امجد نے چُلّو کا خون جانبِ فلک پھینکا اور کوئی قطرہ زمین پر واپس نہ آیا۔

بچہ ہاتھ پر پھڑک کر ختم ہو گیا تو مظلومِ کربلاؑ دیر تک خون بھری باچھوں اور رخسار کو چومتے رہے۔ اور اپنے دستِ مبارک میں لگے ہوئے خون سے غمِ علی اکبرؑ میں سفید ہو جانیوالی ریشِ مبارک کو خضاب کرکے فرمایا "میرے چاند! چلو تمہیں زیرِ زمیں چھپا دوں۔ تم چلو تمہارے پیچھے میں بھی اسی ہیئت سے تمہارا خون چہرے پر ملے نانا کے پاس آتا ہوں اور ان ہی کو دکھاؤں گا کہ اس امت جفا کار نے تمہارا اور میرا کیا حال بنایا ہے۔ اور میرا کیا انتظار؟ تمہاری دادی غرفۂ جنت سے منہ نکالے آغوش بکف تمہارا انتظار کر رہی ہیں"

ہاتف کی ندا اور بچے کا دفن

دل ہمہ داغ داغ امام کی حالت اس سانحۂ

عظیم میں جو کچھ ہوئی وہ ہزار زخموں کی خلش کے برابر تھی۔ اور سب سے زائد
یہ خیال دامنگیر تھا کہ عالم مسافرت میں سب طرف سے بے آس و مددگار رہا دلبندِ علی اصغرؑ
کو کیا جواب دوں گا۔ جس سے سوال آب کے وعدے پر اس کے طفلِ ششماہہ
کو لایا تھا چنانچہ اسی فکر میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ کہتے ہوئے
سات مرتبہ آپ خیمے کی طرف بڑھے اور سات مرتبہ یہی کلمہ ترجیع فرماتے ہوئے
واپس ہوئے۔ مظلوم امامؑ کے اسی فعل کی وہ تاسی ہے جو مومنین روز عاشورہ
اپنے عمل میں کرتے ہیں۔ علامہ سبط ابن الجوزی اہل سنت والجماعت کی
سند سے صاحبِ ناسخ نے روایت کی ہے کہ اسوقت ہاتف غیبی نے ندا دی:۔
دَعْہُ یَا حُسَیْنُ فَاِنَّ لَہٗ مُرْضِعَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ" بس بس احسینؑ!! اب بچے کو
وداع کیجئے۔ جنت میں اس کیلئے دایہ مقرر ہے" یہ سنتے ہی امامؑ نے طفلِ شہید کو
اٹھائے ہوئے ہاتھ دعا اور شکر کے لئے بلند فرمائے اور راز و نیاز کی منزل ختم
کر کے لاش کو زمین پر لٹایا اور فرمایا" حوروں کی گود میں کھیلو۔ دایۂ بہشت کا
دودھ پیو۔ آخر اُمّ رباب کی گود میں رہنا پسند نہ آیا" یہ فرما کر امامؑ نے تلوار
سے قبر کھودی۔ آغوش کے پالے کو زمین کے حوالے کیا اور بحالت مجبوری خود
ہی مٹی دیکر گڑھا بند کر دیا۔ چھوٹی سی قبر دیکھکر دل بھر آیا آخر منہ رکھکر اتنی دیر روتے
رہے کہ پیاسے مجاہد کی خشک لحد تر ہو گئی۔ قبر علی اصغرؑ سے اُٹھ کر در خیمہ پر
آئے اور آواز دی۔ اُمّ رباب سے کہنا تمہارا چھوٹا فرزند اپنی دادی کی سرپرستی
اور دایۂ بہشتِ عنبر سرشت کی آغوش میں جا پہنچا اور اب پیاس اور دشمنوں کی
اذیت سے پناہ خدا میں ہے" مظلومہ بی بی سر پیٹتی ہوئی باہر نکل آتی مگر
سب نے سنبھالا اور کہا اُمّ لیلیٰ کو دیکھکر صبر کرو جن کی ۱۸ برس کی محنت اور ہمشکل
نبیؐ چاند ابتک آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں غلطاں پڑا ہے آخر غریب ماں

دل پکڑا اور کلیجہ مسوس کر رہ گئے مظلومہ کی آہ سے عرش خدا کو زلزلہ ہوا اگر رحمت اللعالمین کے نواسے کا قدم درمیان تھا جسنے ایسے آتے ہوئے عذاب، ستر دفعہ دفع فرما دیے۔

نمازِ میت قبر کھودنے سے پہلے اس بچہ پر امام نے نماز بھی پڑھی اور یہ متواترات سے ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اور شہداء پر نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟ اگر شہید کیلئے اس نماز کی ضرورت نہیں تو آخر اس بچے پر یہ کیسی نماز تھی؟ جو پڑھی گئی، یا تو اپنی شہادت کی تکمیل کے لئے اس شہادت کو مہر سمجھ کر امام نے یہ نماز ہدیہ شکر پڑھی۔ یا یہ نماز ہدیۂ میت جملہ شہداء کے لئے تھی۔ غرض اسرارِ امامت سے یہ وہ راز تھا جسے امام ہی جانتے ہیں۔ چونکہ امام نے اِس فرزند کو سپرد زمین کر کے اپنی امانت سونپ دی تھی اسلئے یہ بالکل غلط ہے کہ بعد شہادتِ فرزندِ رسول الثقلینؐ اس بچے کی لاش زمین سے نکال لی گئی۔ اور اِس بچے کا چھوٹا سا سر بھی نیزے پر بلند تھا۔ یہ محض بحور الغمۃ کی من گھڑت روایات ہیں امام جس بچے کو ناقۂ صالح سے تشبیہ دے چکے تھے اگر اس کی بے ادبی بعدِ دفن بھی جائز رکھی جاتی۔ تو جہاں اس کا سر نیزہ پہ ہوتا وہاں آفتابِ حشر بھی ساتھ ساتھ سوا نیزہ پر نظر آنے لگتا۔ اور آج نہ یہ واقعہ کوئی بیان کرنے والا ہوتا۔ نہ سننے والا ہی روئے زمین پر کوئی نظر نہ آتا۔

مظلوم امام رہوار کے برابر آئے اور پہلے آسمان کی طرف سر بلند کر کے عرض کیا اے رب الارباب! اس قوم جفا کار نے عزم بالجزم کر لیا ہے کہ تیرے رسولؐ کی نسل کو قطع کر دے اور ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑے۔ اپنے رسولؐ کی نسبت تیرا قول اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ انھوں نے بالکل بھلا دیا ہے بہرحال تو اپنے نور کو تمام کرنے کا قصد کر چکا ہے اس حالت میں کفّار کی ہوائے دہن کہاں تک اپنا جادو دکھائے گی۔ مجھ سے تو لڑائی تھی ہی اب اِنکے خیالِ

خام اور تیرے ارادے میں بھی تصادم واقع ہوگیا ہے۔

حیدر کرارؑ کے بیٹے کا رجز

اب امام صابر اپنے باپ کی شجاعت دکھانے اور اپنے دامن امامت سے عجز کا دھبہ مٹانے کیلئے صفوف اعدار کے بالمقابل شیر صفت گھوڑا دوڑا کر پہنچا اور دہن رسولؐ میں پرورش و نشوونما پائی ہوئی زبان سے فرمایا۔

"آل ہاشم میں سے علیؑ کا بیٹا اور بھائی کے بعد دوسرا امام ہوں۔ میرے لئے فخر کے واسطے ہاشم کی نسل اور علیؑ کی پشت ہی کافی ہے۔ اس پہ یہ نور علیٰ نور ہے کہ ہمارے نانا رسولؐ اللہ ہیں۔ اور ہم روئے زمین پر اللہ کے چراغ ہیں میرے علاوہ اس وقت کوئی تمام عالم میں یہ فخر کر سکتا ہے؟ کہ فخر مریمؑ و سیدۂ زنانِ عالم فاطمہؑ بنت محمدؐ میری والدہ ماجدہ تھیں۔ اور جعفرؑ ذوالجناحین میرے عمِّ نامدار تھے۔ ہمارا ہی فقط وہ گھر تھا خدا کی کتاب جس میں نازل ہوتی رہی۔ وحی اور ہدایت کے رموز ملائکہ مقربین ہماری ہی چار دیواری میں سناتے رہے۔ کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی مخلوق خدا کے لئے ظاہر و باطن ہم ہی باعثِ امان و سلامتی ہیں۔ ہماری ہی ولایت میں وہ حوض کوثر ہوگا۔ ہمارے دوست جس کے گرد رسولؐ اللہ کے ساغر سے پی رہے ہونگے جس کا انکار باوجود شقاوت قلبی تم بھی نہیں کر سکتے تم میں سے اکثر رسولؐ کی زبانی سن چکے ہوں گے کہ قیامت کے دن اہل بیت کے دوستوں میں سے کوئی پیاسا حوض کوثر پر ایسا نہیں گذرے گا جو دست حیدر کرارؑ سے لبریز ساغر نہ پلے۔ اس وقت وہ امام مفترض الطاعت ہوں جس کی محبت کو پروردگار عالم نے دو عالم پر واجب قرار دیا ہے۔ ہمارے شیعہ تمام انسانوں میں فائز المرام ہیں اور ہمارے دشمن خدا کی قسم سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانیوالے ہیں پس مرنے کے بعد طوبیٰ کی چھاؤں ہماری قبروں کی زیارت کرنیوالوں

کیلئے مخصوص ہے اور جنات عدن میں ہمارے دوستوں ہی دوستوں کے وہ نورانی چہرے نظر آئیں گے جو فرشتوں کے چہروں پر چھوٹ ڈالینگے۔

خطبۂ امام

خطیبِ منبرِ سلونی کے فرزند نے اسکے بعد وہ فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جو بہت سی مستند کتب میں باختلافِ چند الفاظ بے کم و کاست درج ہے اور جس کی ادبی شانِ عربی کا ویسا ہی جلوہ لباس اردو میں تو کیا نظر آسکتا ہے۔ مگر حتی الامکان اس مفہوم کو ہم اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں یوں ظاہر کرسکتے ہیں۔

"ایہا الناس! تم جس رسولؐ کا کلمہ پڑھتے ہو اس کا یہ قول کہ حسنؑ و حسینؑ میرے دونو نواسے جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں" میرے اور میرے بھائی کیلئے تھا اور تم میں سے کون ہے جو اس حدیث کا انکار کرکے کفر اور لعنت کا طوق اپنے ہاتھوں زیب گلو کرے۔ ہم وہ ہیں کہ ہم نے کسی سے بھی وعدہ خلافی نہیں کی ہم نے کسی اہل ایمان کو ناراضی کا موقع نہیں دیا۔ تمہاری جماعت میں اکثر نام نہاد اصحاب رسول موجود ہوں گے ان سے بقسم دریافت کرلو کہ میری اور اپنے اہل بیت کی رعایتِ حقوق کیلئے خدا کے حبیب نے کسقدر سعی بلیغ فرمائی ہے۔ بے غیرتی اور بے حیائی کے پتلو! ذرا شرم کرو اور سوچو کہ عیسائیوں کو اگر خرِ عیسیٰؑ مل جاتا تو وہ اس کی پرورش اور خدمت میں اپنی جانیں لڑا دیتے یہودیوں کے ہاتھ اگر حضرت موسیٰؑ کا عصائے بادام تلخ لگ جاتا۔ تو وہ اور ان کی نسلیں ہمیشہ ہمیشہ اس کی پرستش کرتیں مگر وائے ہو تم پر اور تمہاری مسلمانی پر کہ تمہیں نہ منتقم حقیقی کا خوف ہے جو سمیع و بصیر بھی ہے نہ اپنے رسولؐ سے شرم ہے جسے تم شفیع محشر بھی کہتے اور جانتے ہو۔ ان کی نسل میں مجھے اسقدر فصل بھی نہیں ہے کہ میری قرابت مشتبہ ہو سا انھوں نے اتنا بڑا کنبہ بھی نہیں چھوڑا جس کی

پرورش تم پر بار تھی اور میرا تو کوئی بوجھ بھی تمہاری ذات پر نہیں تھا، میں تو ان ہی کی قبر کا مجاور بنا بیٹھا تھا کہ تم نے مجھے ان کی اور اُن کی اکلوتی بیٹی کی قبر سے چھڑا دیا۔ میں پناہ لے کر اُس زمین غیر ذی ذرع پر آیا جو جانوروں اور کبوتران حرم تک کے لئے جائے پناہ اور مامن ہے مگر وہاں بھی تمہارے قصائی میرے ذبح کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ پھر تم نے مجھے خط پر خط لکھے۔ میرے پاس قاصد پر قاصد بھیجے اور کہا کہ ہماری رہنمائی کیجئے ورنہ ہم پیش خدا آپ کا دامن پکڑ کر فریاد کرینگے۔ جب میں تم پر اعتماد کر کے یہاں چلا آیا تو تم نے تمام مظالم ختم کر کے مجھے اس حالت پر پہنچا دیا کہ طفل ششماہہ تک کو میری گود میں نحر کر دیا۔ اس پر بھی تم ابھی تک میرے درپے ہو۔ یہ تو بتاؤ اب اور کیا چاہتے ہو؟ رسول کا رہوار میری زیر ران ہے تمہیں تو چاہئے تھا کہ تم اس کے نعل پر آنکھیں ملنے کو فخر جانتے۔ بجائے اس کے تم دوش رسولؐ کے راکب کو ذبح کرنا چاہتے ہو اب بھی شرم کرو اب بھی غیرت سے کام لو۔ اب بھی عرب کی حمیت کو ضائع نہ کرو۔ اچھا! چلو! اب تک جو ایذا تم نے مجھے پہنچائی ہے میں معاف کرتا ہوں جتنے خون تم نے بہائے ہیں میں بحل کرتا ہوں۔ میرے آڑے نہ آؤ مجھے اجازت دو کہ ناموس رسولؐ۔ بیواؤں یتیموں اور لپسر مردہ چند عورتوں کو لیکر دوبارہ نانا کے مزار پر چراغ جلانے کیلئے چلا جاؤں اور جاؤ۔ اب بھی میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہاری کوئی شکایت ان سے نہیں کروں گا بولو۔ بولو۔ اب کیا جواب دیتے ہو"؟

عمر ابن سعد کا جواب

بدنصیب اور کم بخت سعد کا منحوس بیٹا جو کربلا کے میدان میں مجسم یزیدی شیطان تھا جواب میں یوں گویا ہوا "جو کچھ آپ نے فرمایا وہ آپ کی فصاحت کا حصہ ہے ہم یہ مانتے ہیں کہ ہمارے ہاں

کوئی مقرر نہیں لیکن یہ میدان جنگ ہے یہاں حقوق کا ذکر نہیں۔ البتہ آپ کے لئے رعایت ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ اسوقت جو تین سوال کریں ان میں سے آپ کی خاطر میں ایک قبول کر لوں۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا "مجھے ہر طرح تجھ پر اور تیری فوج پر حجت ختم کرنی ہے۔ میرا پہلا سوال یہی ہے کہ مجھے نانا کی قبر پر جانے کی اجازت دیدے" ملعون نے جواب میں کہا کہ یہ امر قابل پذیرائی ہوتا تو پہلے ہی جواب دید یا جاتا۔ آپ نے فرمایا اچھا تو دوسرا سوال میں یہ کرتا ہوں کہ ایک گھونٹ پانی مجھے پلوادے کہ داغ اعزا تین دن کی پیاس۔ اور اس وقت کی گرمی سے میرا جگر کباب ہے" مردود نے کہا۔ جب چھ مہینہ کے بچے پر ہم نے یہ رحم نہیں کیا تو آپ کے لئے یہ رعایت کیونکر روا رکھی جا سکتی ہے"؟ امام علیہ السلام نے فرمایا" اچھا تو اب تم مجھے قتل کئے بغیر باز ہی نہیں رہ سکتے۔ تو میری تیسری درخواست یہ ہے کہ میں اب بالکل اور قطعی تنہا ہوں اور تم کم سے کم چالیس ہزار اب بھی موجود ہو۔ اس حالت میں ایک ایک کر کے مجھ سے مقابلہ کرو۔ اور اس میں تم کو اختیار ہو گا کہ تم بہتر سے بہتر جنگجو انتخاب کر کے میرے مقابلہ میں بھیجو" اُس زنازادے کو اس سوال کے رد کرنے میں شرم آئی اور اُس نے بالفعل اِس شرط کو منظور کر لیا۔ لیکن افسوس تاریخ کا دامن شرم کے دھبوں سے سیاہ ہے کہ اس پر بھی وہ ملعون ایزدی دم بھر قائم نہ رہ سکا۔

تمیم بن قحطبہ

عمر سعد کے اشارے سے تمیم بن قحطبہ جو ابطال شام میں سے ایک جنگجو بہادر تھا اور ایک ہفتہ سے محض اِس وقت کیلئے آرام کر رہا تھا۔ کمر کس کر مقابلہ پر آیا اور خون منہ لگے ہوئے چیتے کی مانند

حضرت کی طرف جھپٹا۔ آپ نے برق تناطف کی طرح تیغ براں چمکا کر اس کا سر مثل خیام خام جسم سے اُڑا دیا۔ اور یہ دست امام کی وہ پہلی صفائی تھی کہ دشمنوں کے منہ سے بھی بے ساختہ احسنت کی آواز نکل پڑی۔

جابر قمیؔ

اب عمر سعد کی منحوس نگاہ جابر کی طرف پڑی۔ یہ قُم کا رہنے والا اور قاہر کا بیٹا تھا۔ دونوں باپ بیٹے فن شجاعت میں نام پائے ہوئے تھے لیکن قاہر اپنی موت سے مرچکا تھا۔ اور جابر بے پدر کا وقت اجل اسوقت مقرر تھا اس ملعون کے کرو فر، جاہ و حشم اور لاف و گزاف کا کیا ٹھکانا۔ پہلے ہی یہ طنطنہ دکھاتا چلا کہ اے امیر! اگر میں نے ایک ہی تنگ پر علیؑ کے بیٹے کو مار لیا تو حسینؑ کا اسلحہ جنگ انعام میں مجھے ملنا چاہیئے کیونکہ میں نے اس کی بڑی تعریف سنی ہے اور اسی امید میں صبح سے اسوقت تک انتظار کی گھڑیاں بڑی مشکل سے کاٹی ہیں عمر سعد کے ایفائے عہد کی امید پر یہ مردود اپنی سحر کاریاں دکھاتا چلا۔ اور اس طرح زور سے جا کر نیزہ گاڑا کہ میدان کی گرد اس کے چہرے تک پہنچی۔ حضرت نے فرمایا "اپنے جبر پر اتنی نازش نہ کر۔ ہمارے اختیار کا تجھے علم نہیں" یہ سننا تھا کہ ملعون نیزہ اُکھاڑ کر حضرت کی طرف بڑھا۔ آپ نے سیف براں کا ایک ہاتھ ایسا مارا کہ جابر کا ہاتھ پہنچے سے قطع ہو کر نیزے سمیت زمین پر جا پڑا۔ بے دست و پا ہو کر جابر کو اپنے عجز اور امام کی طاقت کا احساس ہوا لیکن اب سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ پشت پھرا کر بھاگے۔ حضرت نے تعاقب کیا اور ملک الموت نے اس کا رستہ روک لیا یہاں تک کہ شیر خدا کے بیٹے نے دوسری ضرب لگا کر اس کے سر اور تن میں افتراق کر دیا اور وہ ملعون اپنے کیفر کردار کو پہنچکر اپنے خون میں تڑپنے لگا۔

بدر ابن سہیل یمنی

یہ دیکھکر بدر اپنے خیمہ سے چمکتا ہوا نکلا۔ اور عمر سعد کو للکارا

"کن بزدلے اور شجاعت کا نام بدنام کرنے والوں کو حسینؑ کے مقابلہ میں بھیجا ہے۔ جنھوں نے دو ہاتھ جم کر بھی مقابلہ نہیں کیا۔ میرے چاروں بیٹوں میں سے جسے چاہے اب میدان کی رضا دے۔ اور دیکھ کہ مجھ سے چو رنگ سیکھے ہوئے فرزند آج کس طرح فنونِ جنگ کو آشکار کرتے ہیں"۔ عمر سعد نے بدر کے بڑے بیٹے کو اشارہ کیا اور وہ گھوڑا اُڑاتا ہوا حضرت کے مقابل جا پہنچا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا بہتر ہوتا کہ تیرا داغ دیکھے بغیر خود بدر میدان میں نکل آتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کی بدقسمتی تیری بدبختی کا تماشا دیکھنا چاہتی ہے یہ فرما کر ایک ہی وار حضرت نے نیزے سے ایسا لگایا کہ وہ مرکب سے اُلٹ کر زمین پر جا پڑا۔ اب حضرت نے بدر کو آواز دی کہ تو کس شرم کے بادل میں ہے کہ خود نہیں آتا یہ سنا تھا کہ وہ ملعون نیزہ ہلاتا میدان میں نکلا۔ اور کہا بات چیت کو رہنے دیجئے۔ میری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہے کہ میرے جوان بیٹے کو آپ نے قتل کر دیا اور اُسے حملے کا موقع بھی نہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ ایمان تمہارے سینوں سے کہاں نکل گیا۔ ایک بیٹے کے قتل سے دنیا سیاہ نظر آرہی ہے میری نسبت کیا کہتا ہے جس کے بھانجوں بھتیجوں اور بھائیوں کے علاوہ اٹھارہ سالہ کڑیل جوان اور ہمشکل پیغمبرؐ کو تمہاری فوجوں نے گھیر گھیر کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور اٹھارہ بنی ہاشم کے داغوں سے میرے کلیجے کو بھر دیا۔ میری آنکھوں میں دنیا کا کیا رنگ ہونا چاہیئے۔ اچھا انصاف تو اب منصفِ حقیقی کے سامنے ہوگا۔ تجھے وار کرنے کا موقع دیتا ہوں اور اس وقت تک صرف دفاع کروں گا۔ جب تک حملہ کرتے کرتے تیرے ہاتھ شل اور ہتھیار بیکار نہ ہو جائیں"۔

یہ سنتے ہی نابکار نے پہلے نیزے سے وار کرنے شروع کئے اور حضرت اپنی ڈھال پر اس حُسن سے روکتے رہے کہ یکلخت اس کی اَنی ٹوٹ کر زمین پر

جا پڑی۔ اب ملعون نے خالی ڈنڈے کو زمین پر غصے سے پٹک دیا اور تلوار سنبھالی
ابھی چار پانچ وار کرنے پایا تھا کہ حضرت نے ڈھال کی ایک ایسی اوتھڑ دی کہ تلوار
میں دندانے پڑ کر آری کی شکل نظر آنے لگی۔ خفت پر خفت اٹھا کر بدر نے کمان
چڑھائی اور ترکش سنبھالا۔ مولائے دو جہاں شست پر کھڑے رہے اور جو تیر حضرت
کے قریب آتا تھا۔ تیغ دوسر کی ہوا سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ اب ترکش خالی
اور ملعون کی موت کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ "شجاعت
کے جوہر اور ہوتے ہیں اور لاف زنی اور چیز ہے تو نے اور تیرے ساتھیوں نے
اندازہ ہی نہیں لگایا کہ ہم تو صرف اپنے وعدے کو جو صادق الوعدے کر آئے
ہیں پورا کر رہے ہیں ورنہ تجھ جیسے نامی پہلوانوں کو ہمارے گھرانے کا ایک ایک
بچہ کافی تھا اور اگر تجھے اس کا یقین نہ ہو تو دیکھ یہ تلوار آبدار ایک ہی وار میں
ہوش اُڑائے دیتی ہے۔" حضرت تلوار چمکا کر بڑھے اور بدر نے ڈھال اپنے سر
پر روکی۔ لیکن یہ وہ ہاتھ تھا جس کی ضرب فرشتوں کے پروں سے رُکنے والی
نہ تھی۔ ڈھال، خود، اور زرہ کو کاٹتی ہوئی تلوار آبدار زین فرس تک پہنچی۔ اور
صاحب شق القمر کے نواسے نے ایک ہی وار میں بدر کے دو ٹکڑے کر دیئے
لاش کا زمین پر گرنا تھا کہ آپ نے تکبیر کہی اور تمام فوج کے دل سینوں میں دہل
گئے۔ کشتوں کے تازہ تازہ خون سے اب مقتل کی زمین لالہ زار ہو گئی تھی۔
اور کسی کے دل و جگر میں اب خون شجاعت جوش زن نظر نہ آتا تھا۔ یہ دیکھکر
عمر سعد اپنی فوج کو چلایا۔ کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ انزع البطین کا فرزند اور قتالِ
عرب کا بیٹا ہے۔ یاد رکھنا کہ شجاعانِ مصر و روم و شام و عرب میں کسی کو بھی زندہ
نہیں چھوڑے گا۔ بس مصلحتِ وقت یہ ہے کہ کماندار۔ تلوریے۔ نیزہ باز۔ سوار
اور پیدل سب ایک دل ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑو اور جس کے پاس

جو چیز ہو اُسی سے وار کرو۔ جو خالی ہاتھ ہیں وہ پتھر ہی ماریں۔"

امامِ مظلوم نے جب ملعون کی یہ بدعہدی دیکھی کہ تین میں سے ایک وعدہ جو کیا تھا اس پر بھی وہ قائم نہ رہ سکا تو آپ نے ۸۰ ہزار سپاہ کا رُخ اپنی طرف دیکھکر یہ خطبہ فرمایا:۔

امام علیہ السلام کا دوسرا خطبہ

ملعونو! خدا اور رسُول کے دشمنو! تم نے کس کمینے پن پر کمر باندھ رکھی ہے کہ کسی طرح تمہیں تنبہ نہیں ہوتا۔ عبداللہ ابن زیاد اور عمر ابنِ سعد جیسے دو کافروں کے اشاروں پر تم ناچ ناچ رہے ہو۔ اور ان کی خوشنودی کو تم نے دنیا وما فیہا کے حصول کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ اور ایک سیّد کا خون بہانے میں خدا سے ذرا ڈر نہیں۔ اور اس سے بالکل بے پرواہ ہو کہ جس کی مخالفت میں کمریں کس رہے ہو اور جسکے قتل پر زر و سیم کے امیدوار ہو وہ ابن الخیرتین و ن کا بھوکا پیاسا حسینؑ ہی خود ایسی خالص چاندی ہے جو سونے سے زیادہ قیمتی ہے اس پر بھی ذرا غور کرو کہ جسے خاک میں ملانا چاہتا ہو۔ اسکے مقابلہ کا گوہر کسی کان میں نہیں ملیگا۔ مجھے جانتے ہو؟ اس علیؑ کا بیٹا ہوں۔ جس نے بدر و حنین میں تمام لشکرِ انصار و مُلک کے برابر اپنی اکیلی تلوار سے کشتوں کے پشتے لگا دیئے ہیں۔ کیا میں اسلئے تم سے ایک ایک سے لڑنا چاہتا تھا کہ تمہاری کثرت کا خوف مجھ پر غالب تھا۔ اگر یہ تمہارا خیال ہے تو خام ہے۔ میں یہ دیکھتا تھا کہ اس وعدے پر تمہارا ملعون سردار کب تک قائم رہتا ہے میں اس کا بیٹا ہوں جس نے اُحد کے دن جب سب کے سب رسُولؐ کو نرغۂ اعدا میں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تو مخص اپنے دست و بازو کی قوت سے میدان مار لیا تھا۔ اچھا آؤ آج تم میری مظلومیت کے ساتھ میری شجاعت کو بھی دیکھ لو۔ یاد رکھو اب اس جوہرِ کمال کو دکھاؤنگا کہ تمہاری اس کثرت میں کمی محسوس ہونے لگے گی" یہ فرما کر آپ نے

تلوار آبدار سونت لی اور عمر کے اشارہ پر بڑھتی ہوئی فوج کی طرف قہر خدا بن کر چلے۔

یکہ و تنہا کی جنگ

قلب لشکر میں گھس کر ایک دم زدن میں آپ نے تفرقہ ڈال دیا۔ فوج کا حصار جو گھیرا ڈالتا ہوا آرہا تھا۔ خود موت کے جال میں پھنس گیا اور اس کی یہ حالت ہوگئی کہ نہ بھاگنے کا دم تھا نہ قیام کی طاقت تلوار کی بجلی جدھر چمکتی ہوئی نکل جاتی تھی۔ خون کی رَو اس کے نیچے بہتی ہوئی نظر آتی تھی۔ میمنہ اور میسرہ درہم برہم ہوگیا۔ اور قلب لشکر میں اب سوائے خون کے تھالوں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ صدہا سوار بے جان اور پیدل گھوڑوں کی ٹاپوں میں چکنا چور ہوگئے۔ حضرت رہوار کو کاوے پر کاوے دے رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے "فوج خدا کے شیرو تم اسوقت کہاں ہو کہ جس نے صبح سے اسوقت تک تم میں سے ایک ایک کی جنگ دیکھی ہے اسوقت تم بھی اس کی تیغ شعلہ بار اور صاعقہ کردار کے جوہر دیکھتے" عبداللہ ابن عماد ایک لشکری کا بیان ہے کہ ہم نے آج تک اپنی آنکھ سے ایسا رَن پڑتے نہیں دیکھا کہ افسران فوج اپنی فوج سے اور فوج اپنے افسروں سے بے خبر تھی۔ اور ایک بھوکے پیاسے عزیز و انصار مُردہ نے ہمارا تمام نظم و نسق بگاڑ دیا تھا یہاں تک ہمیں یقین ہوگیا تھا کہ اب ہم میں سے کوئی بچنے والا نہیں۔ اب چاروں طرف الامان الامان کا شور بلند ہوا۔ اور نبیؐ و علیؑ کا واسطہ دیا جانے لگا۔ امام علیہ السلام نے یہ سنکر رُخ دریا کی طرف کر دیا۔ محافظانِ دریا نے جو علیؑ کے بچھڑے ہوئے شیر کو نہر کی طرف آتا دیکھا تو سب بھاگ کر دور ہٹ گئے۔ اور آپ نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔

ساقیؑ کوثر کا بیٹا فرات پر

حضرت نے لجامِ فرس کو ڈھیلا چھوڑ کر فرمایا

"تو بھی پیاس سے نیم جان ہے اور میں بھی زخموں اور تشنگی سے قریب ہلاکت پہنچ گیا ہوں۔ واللہ تو جب تک اپنے ہونٹ تر نہیں کریگا میں بھی ایک قطرہ نہیں پیونگا" حضرت یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ بے زبان پانی پی لے۔ ورنہ خود اُس پانی کی خواہش کیا کرتے۔ جس کی خاطر ۳۲ برس کا جوان بھائی شانے کٹائے پڑا تھا جس کے لئے طفلِ ششماہہ نے گلوئے نازنین پر تیر کھایا۔ جس کے سوال پر جوان بیٹے سے شرمندگی اُٹھانی پڑی۔ اور جس کے قحط سے بچے اور خواتین خیمے میں نڈھال تھیں۔ جب کسی طرح راہوار نے اُدھر رُخ نہ کیا تو آپ نے ایک چُلّو بھرا اور کہا "اچھا میں بھی پیتا ہوں اور تو بھی پی" یہ فرما کر اس کے دکھانے کے لئے ہاتھ لبہائے مبارک تک لے گئے۔ یہ دیکھکر حصین ابن نمیر ملعون نے ایک تیر دُور سے ایسا مارا کہ حضرت کے دونو لب زخمی ہو گئے۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہکر پانی پھینک دیا۔ اتنے میں شمر بے حیا چلایا۔ حسینؑ! تم پانی پی رہے ہو اور وہاں ہمارے سپاہی تمہاری خواتین کے خیموں میں لوٹ کیلئے گھس گئے" امامِ غیور یہ سماعت فرماتے ہی نہر سے باہر نکلے اور گھوڑا اُڑاتے ہوئے خیمے کی طرف پہنچے تو دیکھا کہ یہ محض شمر ملعون کی حیلہ سازی تھی۔

خون میں نہایا علیؑ کا جایا

درخیمہ پر پہنچکر آپ نے چاہا کہ پھر ایک بار اہلبیت اور سید سجادؑ کو دیکھ لیں۔ گھوڑے سے اُتر کر داخلِ خیمہ ہوئے تو سب نے دیکھا کہ سر سے پاؤں تک امام ابن امام خون میں نہائے ہوئے ہیں۔ بیبیاں حضرت کے رُخِ پاک سے خون صاف اور نالہ و فریاد کرنے لگیں۔ بچے دامنِ امام سے لپٹ گئے۔ یہانتک کہ سیّد سجادؑ اپنے بیمار کے خیمے میں گئے۔ مبتلائے تپ بیٹا تعظیم کو اُٹھا تو یہ دیکھا کہ ساہی کے کانٹوں کی طرح تیر آپ کی زرہ میں پیوست ہیں۔ دریافت کیا "بابا! یہ کیا حال ہے؟ چچا عباسؑ کہاں ہیں؟

بھائی علیؑ ابن الحسینؑ نے آپ کا یہ حال کیونکر ہونے دیا؟ حضرت نے آنکھوں میں اشک بھر کر فرمایا "بیٹا ذکوریں اب سوائے میرے اور تمہارے اور کوئی باقی نہیں" یہ سنتا تھا کہ بیمار نے صدمے سے ایک پچھاڑ کھائی اور غش ہو کر فرش علالت پر گر پڑے۔ حضرت نے قریب خیام لشکر کفار کا غل سنا تو پھر میدان میں نکلنا چاہا۔ بیبیوں نے حضرت کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور کہا فاطمہؑ کے دلارے اب ہم کسی طرح تمہیں دشمن قصائیوں میں نہیں جانے دینگے۔ آپ نے فرمایا تو کیا تمہارا یہ مقصد ہے کہ گروہ اشرار میری زندگی میں داخل خیمہ ہو جائے استعدو للبلاء آزمایش کے لئے اب کمریں کس لو۔ واعلموا ان اللہ حافظکم وحامیکم اور یقین جانو کہ حافظ حقیقی ہر طرح تمہارا حامی اور مددگار ہے۔ سینجیکم من شر الاعداء الخ وہ (قدم قدم پر) دشمنوں کے شر سے تم کو نجات دیگا۔ تمہارے محبوں کا خاتمہ بالخیر فرمائے گا۔ تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب دردناک میں مبتلا کرے گا اور تمہاری اس آزمایش کے عوض ہر طرح کی نعمتیں تمہیں بخشیگا۔ پس تمہیں لازم ہے کہ حرف شکایت سے زبان کو آشنا نہ ہونے دو۔ اور کوئی بات منہ سے ایسی نہ نکالو کہ جو تمہاری شایان شان نہ ہو۔ یہ وصیت فرما کر صابر و شاکر امام رضائے خدا کیلئے سر دینے کی خاطر خیمہ سے باہر نکلا اور اطفال و خواتین کو اپنے افتراق میں تڑپتا ہوا چھوڑ آیا۔

فوج ناری کا ہجوم

ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ مظلوم کربلا نے اپنے گذشتہ حملے میں ایکہزار نو سو پچاس ملعونوں کو جہنم واصل فرمایا تھا اور فوج ناری اپنے مقتولین کا شمار کر کے نزد خیام امام عالی مقام جمع ہو گئی تھی۔ جونہی حضرت خیمے سے برآمد ہوئے سب نے مل کر آپ پر یورش

کردی۔ علیؑ کے لال کو پھر جلال آگیا اور اب جس شجاعت کا اظہار کیا وہ اس سے پہلے نانۂ رسولؐ کے کسی جہاد میں نہیں دیکھی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت ایک سوار کو گھوڑے سے اٹھا کر دوسرے پر دے مارتے تھے۔ اور اس طرح تلوار چلا رہے تھے کہ سروں کا مینہ برستا نظر آتا تھا۔

ہاتف غیبی کی دوسری آواز

اب پھر دوبارہ چاروں طرف سے الامان کا غل بلند ہوا۔ اور علی اکبرؑ و عباسؑ کی جوانی کے واسطے دیئے جا رہے تھے کہ یکایک ہاتف کی آواز آئی یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ۔ اے نفس مطمئنہ اب پالنے والے کی طرف واپس ہو جا۔ اس حالت میں کہ وہ تجھ سے راضی ہوا۔ اور تو اس سے خوشنود ہو۔ یہ سنتے ہی راضی برضا امام نے تیغ آبدار کو غلاف کیا اور فرمایا "حاضر ہوں حاضر ہوں میرے مولا! تو مجھے یاد فرمائے اور میں تاخیر کروں۔ تو مجھے آواز دے اور میں لبیک نہ کہوں، میرا صبر اور میری جنگ سب تیرے ہی لئے تھی۔ اور تیرے حکم کے انتظار میں ایک ایک گھڑی دو بھر تھی" مناجات کے یہ الفاظ زبان پر تھے۔ اور شوق حاضری دربارِ خدا میں مرنے پر جھوم رہے تھے میدان جنگ میں گویا اسوقت لطفِ شراب اٹھا رہے تھے۔ اور اب ما سوا اللہ سب کچھ فراموش کر چکے تھے۔ فوج اشقیاء نے تلوار نیام میں دیکھی۔ اور عارف خدا کو ہمہ تن محوِ درگاہ بے نیاز پا کر تیروں کا ہدف بنا دیا۔ اور دم کے دم میں ستر تیر جسم امام میں گھر کر گئے۔ حضرت امام عالی مقام بسم اللہ و بجہ ہیکہکر گھوڑے کے مرنے پر جھک گئے۔ اور زخم ہائے تیر سے خون کے پرنالے بہنے لگے۔ اب نطفہ حرام قصائیوں نے مجروح کی یہ حالت دیکھکر قریب سے نیزہ و شمشیر کے وار لگانے شروع کئے یہاں تک کہ ایک ایک تلوار کے زخم

میں پچاس تلواریں اور ایک ایک نیزے کے زخم میں پچاس نیزے پیوست تھے۔ جب مظلوم کا سینہ غربال اور سر پاش پاش ہوگیا۔ تو آپ نے اسی حالتِ ذوقِ مناجات میں فرمایا "میرے پکارنے والے دیکھ بھی رہا ہے کہ یہ بد ذات قوم میرا ہاتھ رکنے پر میرا کیا حال بنا رہی ہے" حضرت نے بمشکل یہ فقرہ ختم کیا تھا کہ بس ابوالحنوق ایک مردود نے ایک تیر سہ پہلو ایسا پھینکا کہ آپ کی درگاہِ بے نیاز میں جھکنے والی پیشانی شگافتہ ہوگئی اور خون سے تمام زمین رنگین ہوگیا۔ حضرت نے دامنِ قبا سے پیشانیٔ اقدس کا خون صاف کرکے ابھی دم نہ لیا تھا کہ خولیٔ اصبحی نے سینۂ بے کینۂ امام پر ایک تیر ایسا مارا کہ اب راکبِ دوشِ رسولؐ کو اس پر قرار دشوار ہوگیا۔

عرش بر زمیں اُفتاد

حضرت کی یہ حالت ساکنانِ عرش سے نہ دیکھی گئی اور چاروں طرف سے نالہ و فریاد کا شور برپا ہوا۔ حضرت کے ہاتھوں سے اب لجامِ فرس چھوٹی جا رہی تھی۔ آخر آپ نے نہایت درد کے عالم میں بسم اللہ و باللہ علی ملۃ رسول اللہ فرمایا اور عرش نشین صدرِ زین سے خاکِ کربلائے معلیٰ پر اُتر آیا۔ اب حضرت نے نہایت حسرت سے سوئے فلک دیکھکر کہا "الٰہ العالمین تو جانتا ہے۔ کہ اشقیا اس شخص کو مارے ڈالتے ہیں جس کے علاوہ اس وقت روئے زمین پر تیرے نبیؐ کا بیٹا کہلائے جانے کا کوئی مستحق نہیں" یہ فرماکر سینے سے تیر کو کھینچا اور کلیجہ اس کے ساتھ نکل آیا۔ بس خون کا فوارہ جاری ہوگیا حضرت نے ریش مبارک کو اس سے خضاب فرماکر کہا "اچھا اب اسی طرح نانا سے ملاقات کرونگا۔ اور کہونگا کہ اپنی امت کی کارگذاریاں ملاحظہ فرمائیے۔"

نوحؑ کی دعا سے مماثلت

جنابِ نوحؑ کے صبر کی تعریف زبانِ قدرت نے کی ہے لیکن جب ان کی قوم کی شقاوت حد سے تجاوز کرگئی

تو قرآن کہتا ہے کہ انھوں نے کہا "پروردگار اب اس قوم جفا کار میں سے کسی کو روئے زمین پر زندہ نہ چھوڑیو۔ کیونکہ اب ان سے سوائے مشرکوں اور کافروں کے اور کوئی پیدا نہ ہوگا" اسی سے ملتے جلتے الفاظ اِس نوحِ ثانی کی زبان پر اس وقت تھے۔ جس کا جہاز اس وقت صحرائے عرب کی خشکی میں ریت کے تھپیڑے کھا رہا تھا مگر اسلام کی کشتی کو وہ خون کے دریا میں تیر کر پار لگانے کی فکر میں مصروف تھا۔ فرمایا: "پروردگارا! اس جماعتِ کفار و فساق و فجار کو تو دیکھ رہا ہے کہ اب ان کا ظلم کہاں تک پہنچ گیا ہے۔ پروردگار ان میں سے کسی کو نہ بخشیو۔ اور کسی کو زمین پر باقی نہ چھوڑیو" راوی کہتا ہے کہ حضرت کی شہادت کے بعد تین سال کے اندر تمام قاتلانِ مظلومِ کربلا نابود اور مفقود ہوگئے اور کسی کا نام و نشان روئے زمین پر باقی نہیں رہا۔

حضرت اب چاہتے تھے کہ کسی طرح کھڑے ہو کر دشمنوں کو اپنے قریب سے دفع کریں۔ ابھی مظلوم کربلا کا قیام درست نہیں ہونے پایا تھا کہ صالح نام ایک بدکار نے جو وہب مُرنی کا نطفۂ گندیدہ تھا آپ کی قامتِ خمیدہ پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ راکع کو سجدے میں تشریف لے جانا پڑا۔

ماں جائی کا نظارہ ناگاہ درِ خیمہ سے بہن کی آنکھ نے بھائی کی اس حالت کا نظارہ کیا۔ آپ سراسیمہ صحنِ خیمہ میں سر پیٹتی اور یہ دُہائی دیتی ہوئی دوڑنے لگیں "افسوس میرے بھائی۔ آہ! میرے سیدا! اے آسمان تو کیوں نہیں پھٹ پڑتا! اے زمین تو کیوں نہیں اُلٹ جاتی۔ آہ! پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے کا وقت کب آئیگا؟ یہ فرما کر پھر خون نے جوش مارا۔ درِ خیمہ پر مضطربانہ تشریف لائیں اور شقی ازلی کو آواز دیکر کہا "سعد کے جنے تو دیکھ رہا ہے اور فرزندِ رسولؐ قتل ہو رہا ہے" علیؑ کی جائی اور مظلوم سیدانی نے یہ کلمہ ایسی جلالی حالت میں کہا تھا کہ اُس مردود کی

آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ لرز کر خاموش ہوگیا۔

چمنستان محمدؐ کا گُلِ نورس
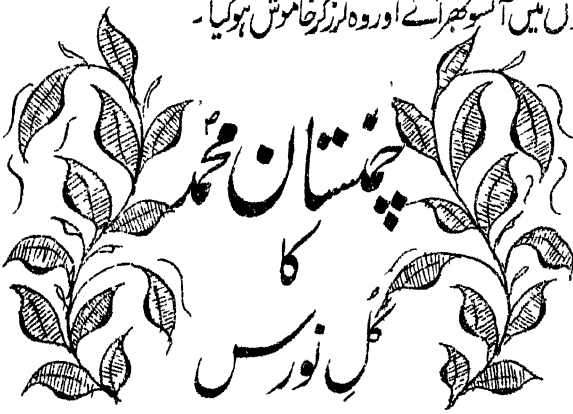
عبداللہ ابن حسنؑ

اولاد امام حسنؑ میں سے ایک یہ صاحبزادے اور خیمۂ اطہر میں باقی تھے۔ تقریباً گیارہ سال کا سن تھا۔ مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ عدمِ بلوغ میں معصوم چہرہ ہر ظالم کے دل میں جذبۂ رحم پیدا کر سکتا تھا۔ باپ کے انتقال کے دو ایک ماہ بعد پیدا ہوئے تھے اس لئے ایتام میں سب سے زیادہ قابل رحم تھے جب انھوں نے اپنی پھپھی کی زبان اقدس سے یہ الفاظ سنے اور ان کا اضطراب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تو اپنے چچا کے معائنۂ حال کیلئے خیمہ سے نکل آئے جناب زینبؑ نے ہر چند روکنا چاہا مگر عم نامدار کی محبت اس امتناع پر غالب رہی۔ جب مظلومؑ کربلا نے دیکھا کہ عبداللہ خیمہ کے در تک آگئے ہیں تو مظلوم امامؑ نے اپنی ہمشیر کو صدا آواز دی کہ اے خواہر! عبداللہ کو میدانِ بلاخیز میں تیر کا ہدف اور تلوار کا چورنگ بننے سے بچاؤ۔ لیکن جناب عبداللہ نے اپنی پھوپھی کے اصرار پر کہا "واللہ لا افارق عمی" پروردگارِ عالم کے اسم ذات کی قسم اب میں چچا سے دور نہیں رہ سکتا" یہ کہکر اس شہزادے نے بسرعت تمام اپنے آپ کو جاں بلب چچا کے پاس پہنچا دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ابجر بن کعب ملعون تلوار کھینچکر امام علیہ السلام کے سر مقدس پر وار کیا چاہتا تھا۔ گُلِ نورس نے جب دیکھا کہ شجر طیبہ کی ہری بھری شاخ کٹا چاہتی ہے تو

ہنکھڑیوں کی مانند اپنی نرم نرم کلائیاں وار روکنے کیلئے بڑھا دیں۔ اور کہا
"زانیہ کے فرزند تو میرے چچا اور امام وقت کو شہید کرنا چاہتا ہے" شقی کا ہاتھ
حرکت میں تھا ہی کہ ضرب معصوم تک پہنچ گئی۔ عبداللہ کے دونوں ہاتھ پہنچوں سے قلم
ہو کر امام کی گود میں گر پڑے۔ نہتے سپاہی نے چچا سے فریاد کی۔ حضرت امام نے جلدی
سے بھتیجے کو سینے سے لگایا اور فرمایا "جان عم اصبر کرو یہ پھل ہماری محبت میں تمہیں ملنا
تھا۔ اچھا اچھا چلو اپنے آبائے صالحین کی خدمت میں تمہیں بھی پہنچا دوں" ابن کاہل اسدی
نے اس وقت بالکل ایک تیر اسی انداز کا سر کیا جو شش ماہے مجاہد کیلئے استعمال کیا تھا
یہ حربہ ایسا کارگر ہوا کہ عبداللہ چچا کی آغوش میں تڑپ کر ختم ہو گئے۔ اور دادی کی
روح بیٹے کی گود سے پوتے کو بہشت عنبر سرشت میں لے گئی۔

ایک مغالطہ کا دفاع

بعض ذاکرین امام حسنؑ کے فرزند کو غلطی سے چہار سالہ یا پنج سالہ بچہ کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ ایک فاش غلطی ہے کیونکہ
امام حسن علیہ السلام کی شہادت ۲۸ صفر ۵۰ھ کو واقع ہوئی اور واقعہ کربلا ۶۱ھ کے بعد
دسویں دن ہوا۔ یہ فصل ایک ماہ ۸۵ دن کم گیارہ برس ہوتا ہے اور چونکہ صاحبزادے کی
پیدائش باپ کی شہادت کے تقریباً دو ماہ بعد بعض مورخین نے لکھی ہے اس حساب سے آپکی
عمر پونے گیارہ برس کی قرار پاتی ہے اور امام حسنؑ کا کوئی بچہ ساڑھے دس برس سے کم سن
کا میدانِ کربلا میں ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ بچہ جو چار سالہ بتایا جاتا ہے اس کا بھی نام
عبداللہ تھا۔ لیکن ان کی شہادت جناب علیؑ اکبر کے بعد اور جناب علیؑ اصغر سے قبل واقع
ہوئی ہے اور وہ اولاد امام حسینؑ میں شامل ہیں جیسا کہ ہم لکھ آئے۔ لہذا عبداللہ ابن
حسینؑ اور عبداللہ ابن حسنؑ کی شہادتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

امت کا ظلم نبیؐ کے نواسے پر

اب عمر سعد اور شمر ملعون دونو بیچا علی الترتیب سوار اور پیدل فوج کی طرف مخاطب ہوئے

اور کہا کہ اپنے نیزے۔ تلواریں۔ ترکش تیر اور جو ہتھیار میسر آئیں سب حسینؑ کیلئے وقف کر دو۔ اور جن سے کچھ نہ بن پڑے وہ پتھر اور آگ ہی پھینکیں"۔ یہ سننا تھا کہ چاروں طرف سے ظلم کی گھٹائیں گھر آئیں اور ستم کی بارش ہونے لگی حضرت نے اپنی مظلومیت پر رو کر فرمایا "اے جدِ بزرگوار! آہ! نانا محمد مصطفٰے۔ آہ! ابوالقاسم۔ اے بابا علی مرتضٰی! کہاں ہو؟ بھائی حسنؑ سبز قبا! آہ! حمزہؑ و جعفرؑ جیسے بزرگو! آہ! چچا عقیلؑ! آہ! ۳۲ برس کے کڑیل بھائی عباسؑ۔ آہ! آہ! بیٹا علی اکبرؑ! آہ میری پیاس، وائے میری بے چارگی۔ آہ! یہ دشمنوں کی کثرت اور یہ انصار کی قلت۔ افسوس اس حالت مظلومی میں مجھے قتل کیا جا رہا ہے اور میں محمد مصطفٰی کا نواسا ہوں! افسوس پیاسا ذبح کیا جا رہا ہوں اور ساقیٔ کوثر کا بیٹا ہوں۔ افسوس صد افسوس! اس طرح میں ہتک کیلئے وقف کر دیا گیا۔ حالانکہ سیدۂ عالمؑ کی آغوش کا پالا ہوں" یہ وہ وقت تھا کہ جس فرزند کو رسولِ خدا نے لحمک لحمی کہا تھا اس کا جسم ایک ہزار نو سو پچاس زخموں کا حامل تھا۔ یہاں تک کہ امام مظلومؑ دیر تک غش میں پڑے رہے اور ملعونین شمر و عمر نے سمجھا کہ حضرت شہید ہو گئے اس پر بھی مالک ابن بسر کندی ایک حرامزادہ نزدیکِ امام آیا۔ اور محض یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ میں جان ہے یا نہیں اُس جانِ رسولؐ کے فرقِ مطہر پر ایک ضربت ایسی لگائی کہ پارہ پارہ امام نے غش سے آنکھیں کھول دیں۔ خون فوارے کی طرح اُبل کر تمام ریش مبارک پر پھیل گیا۔ آپ نے آستین سے لہو صاف کر کے فرمایا "کمبخت! اس ہاتھ سے تجھے کھانا پینا نصیب نہ ہو اور پروردگار ظالمین کے ساتھ تیرا حشر فرمائے" یہ فرما کر حضرت نے ایک طرف کو گردن جھکا دی۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ذرعہ ابن شریک نے قریب پہنچ کر حضرت کے شانے پر ایک تلوار ماری۔ امام علیہ السلام نے باوجود ضعف اور شدت جراحت کے ذرعہ پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ ملعون وہیں گر کر اپنے خون میں لوٹنے لگا۔

پھر آپ نے فرمایا "پالنے والے تیری مشیت پر کاربند ہوں ورنہ اب بھی انگلیں ایک مرتبہ ان مجبوریوں میں اپنے اختیار کی قوت دکھا دیتا۔ اچھا! اے خدائے دو جہاں! تیرے سوا مجھ غریب کا کون ہے۔"

شمرِ ناری کی طلب آتش

اب شمر نے لشکریوں کو آواز دیکر کہا کہ آگ اور لکڑیاں لیکر آؤ۔ تاکہ عمر کی ہمراہی میں خیمۂ دختران سیدہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا جائے۔" حضرت مظلوم نے فرمایا "ذی الجوشن کے جنے آخر یہ کونسی سنت ہے جو تو عمر کے ساتھ ملکر انجام دینا چاہتا ہے۔ پروردگار عالم تجھے اور اس مردود کو آتش دوزخ میں دائماً ابداً جگہ دے اور مالک دوزخ ہر آن تجھ پر اور اس پر ایک نیا عذاب پیش کرے۔"

بانوئے بیکس کی سواری

یہ وہ وقت تھا کہ مظلوم کا سانس اکھڑ رہا تھا اور خون بہتے بہتے جسم کی طاقت جواب دے رہی تھی آپ کبھی سر اقدس جھکا دیتے تھے اور کبھی سوئے چرخ اٹھا دیتے تھے کہ ناگاہ ایک طرف کو رخ کرکے فرمایا "بانوئے دو جہاں! سیدۂ عالم! آخر اپنی بیٹیوں کا خیمہ جلنے کی خبر سنکر آپ سے صبر نہ ہوا اور باغِ جنت کی ہوا چھوڑ کر اس کرۂ آتش میں تشریف لے آئیں۔ اماں! نانا کی راج دلاری! میرا حال تو دیکھئے سرے ناخن پا تک نیزوں نے نخر تلواروں نے ٹکڑے ٹکڑے اور تیروں نے چھلنی کر دیا" چکیاں پیس پیس کر پالنے والی ماں کی روح نے جو کچھ کہا ہوگا وہ تو گوش امامت ہی نے سنا ہے۔ مگر بیٹے کی حالت کے معائنے کے ساتھ ان الفاظ نے کلیجہ شق کر دیا ہوگا۔ اور ممکن ہے یہ فرمایا ہو "بیٹا! تیروں، تلواروں اور نیزوں کے سب وار میرے کلیجے پر ہوتے ہیں۔ ذرا حشر نمودار ہونے دو۔ تمہاری خون آلود قبا لیکر زیر عرش وہ نالہ کرونگی کہ عرش الٰہی متزلزل ہو جائے۔"

دحیۂ کلبی کی آمد

یہ اگرچہ عنوان عجیب ہے۔ کیونکہ دحیۂ کلبی صحابیِ گرانقدرِ رسول

کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا۔ اور وہ بزرگ تھے کہ بزمِ رسولؐ کی شرکت کے لئے جب جبریلِ امین سا مقرب فرشتہ شرفیاب ہوتا تھا تو انہی کا بھیس بدل کر آتا تھا اور پروردگارِ عالم کا حکم تھا کہ اے جبریلؑ جب مجمعِ عام میں شریکِ صحبتِ رسول ہو تو ملبوسِ جسمِ دحیہ بدل کر جاؤ کیونکہ وہ اولادِ رسولؐ کا شیفتہ ہے۔ اور اس کا یہ عشق ہمیں محبت پر مائل کرتا ہے۔ دحیہ کی خصوصیات میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جب رسالت مآبؐ کی خدمت میں آتے تھے۔ تو اگرچہ زیارتِ رسولؐ بھی ان کی حاجت ہوتی تھی لیکن مقصدِ اقصائے دحیہ رسول اللہ کے نواسے ہوتے تھے۔ اور وہ ان کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی تحفہ بھی جیب میں لے کر آتے تھے۔ اس شکل و شباہت میں یہاں تک مماثلت ہو گئی تھی کہ شہزادگانِ رسولؐ کا بچپن بھی نانا کے صحابی اور خدا کے فرشتے میں فرق نہیں کر سکتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ جبریلؑ امین صحنِ مسجدِ رسول میں بشکلِ دحیہ کلبی تشریف لائے اور دوزانو خدمتِ رسولؐ میں بیٹھ گئے۔ رسولؐ کا یہی نواسہ جو اس وقت زمین کربلا پر بیٹھا ہے آغوشِ رسولؐ میں تھا۔ لیکن جونہی جبریلؑ تشریف لائے شہزادہ انھیں دحیہ کلبی سمجھ کر ان کی گود میں جا بیٹھا۔ انھوں نے بھی صدقہ ملبوسِ جسمِ دحیہ سمجھ کر اپنی حالت پر فخر اور حسینؑ کو سینے سے لگا لگا کر پیار کیا۔ لیکن یہ دیکھا کہ شہزادہ ان کے دامن قبا میں کچھ ڈھونڈھ رہا ہے۔ اب ملکِ مقرب کو زبانِ رسولؐ سے پارۂ مصحفِ ناطق کے اس اشارہ کی تفسیر دریافت کرنی پڑی۔ آپ نے فرمایا کہ اخی جبریلؑ! بات یہ ہے کہ جس شکل میں تم ہو اس صورت کا فرشتہ سیرتِ انسان میں جب یہاں آتا ہے تو سیب، انار، اور جو کچھ اس سے بن پڑتا ہے۔ حسینؑ کے لئے لے کر آتا ہے۔ آج وہی یہ تمہاری جیب میں ڈھونڈھ رہے ہیں۔ ملک نے ذرا چشمِ ندامت جھکا کر غور کیا۔ اور فوراً ہی ذہن میں معاملاتِ قضا و قدر کا پردہ ہٹا کر

اور جانبِ فلک ہاتھ بڑھا کر کہا کہ پھر یہ کیا بڑی بات ہے میں ابھی ابھی حاضر کرتا ہوں ادہر جبرئیل امینؑ کا ہاتھ بلند ہوا اور جنت نے اپنی شاخہائے ثمردار حسینؑ کیلئے جھکا دیں۔ بس فوراً دست مَلک نے کچھ سیب اور کچھ انار قرۃ العینِ رسولؐ کیلئے چنے اور جیب میں رکھکر شہزادے کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حسینؑ خوش خوش گود سے اٹھے۔ اور آغوش رسولؐ میں جاکر بولے "نانا! دیکھئے اِن پھلوں میں کیسی خوشبو ہے" زبان رسولؐ نے اِن الفاظ میں تصدیق کی کہ "ہاں ہاں۔ جانِ جاں! تمہارے نانا نے جو خوشبو جنت کے قریب گذرتے ہوئے کبھی سونگھی تھی آج پھر تم نے سنگھادی"۔

یہی وقت اسوقت شاید جبرئیل امین کو پھر یاد آ گیا۔ اور اب اُسی شاہزادے کو زخموں اور پیاس سے نڈھال دیکھکر ایک سیبِ جنت لئے خدمت میں حاضر ہوئے لباس جسم وہی دحیہ کلبی کا تھا۔ امام علیہ السلام نے پہچان کر فرمایا "اب حسینؑ تمہارے پہچاننے میں خطا نہیں کر سکتا۔ مگر علی اصغرؑ کے بعد اس سے پیاس بجھانی شرمناک ہے اور اگر تمہیں یقین نہ ہو تو لاؤ دکھادوں کہ اب زندگی میں پیاس بجھانی میرے لئے جائز نہیں یہ فرماکر تیغ سے آپ نے اس سیب کو تراشا تو اس میں سے خونِ تازہ نکلا۔ گویا جنت کے سب پھل بھی آج شاہزادے کے غم میں خون ہو گئے تھے۔ اور اہلِ جنت۔ حُورانِ جناں اور سب فرشتے یوم عاشور کا فاقہ کر رہے تھے۔

ایک مردودِ ازلی جو اپنی شقاوت سے چشم رسولؐ کو چشم زخم پہنچانے کے لئے اس وقت قریب پہنچا تو فوراً بے ہوش و حواس واپس بھاگا اور اہل لشکر سے بیان کیا "مجھے اس واقعہ نے اسوقت مبہوت کر دیا ہے کہ دحیہ صحابی باوجود اپنے انتقال کے خدمتِ حسینؑ میں سیب لئے حاضر ہے اور امام اُس کے کھانے سے انکار فرما رہے ہیں" یہ سنکر چند منکرین اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھنے بڑھے مگر امام علیہ السلام سیب کو جانبِ فلک پھینک چکے تھے۔ جو پھر کششِ زمین سے عاجز نہیں ہوا۔ اور مَلکِ ربُ العزت خدا

کی بخشی ہوئی طاقت سے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ چکا تھا۔

ورودِ روحِ رسولؐ

اب عمر سعد مردود نے بڑھے ہوئے منکروں کو آواز دی اور کہا "تمہاری مائیں تمہارے غم میں بیٹھیں جلدی کرو۔ اور حسینؑ کا کا کام ختم کرکے سرتن سے جدا کردو کہ نماز عصر کو تاخیر ہو رہی ہے" یہ سنتے ہی شیث بن ربعی کعبۂ ایمان کو ڈھانے چلا۔ یہ وہ وقت تھا جب نماز اُن بدبختوں پر اپنے ارکان سمیت لعنت کر رہی ہوگی۔ کہ زبان پر تو فکرِ رکوع و سجود ہے۔ اور قبلۂ دین کے ڈھانے پر کمریں کسی ہوئی ہیں۔ بہرحال جوں ہی شیث امامِ مجروح کے قریب پہنچا آپ نے معصوم نگاہوں سے شقی کی طرف دیکھا۔ بملاحظۂ ایں حال وہ ملعون تیغ ٹپک کر بھاگا اور ترسان و لرزاں اپنی فوج شقاوت موج میں جا ملا۔ سنان ابن انس ملعون نے اس کی ماں کو گالی دیکر کہا کہ کمبخت بھوکے پیاسے اور زخمی سے اس طرح ڈر کر بھاگا ہے جس طرح کوئی جانور شیر کی بُو سونگھ کر بھاگتا ہے" شیث نے کہا "خدا کی پناہ اُس وقت سے کہ میں حسینؑ کا قاتل ہوکر خدا کے دربار میں کھڑا ہوں۔ درآنحالیکہ میں نے دیکھا کہ جب حسینؑ نے چشم وا کر کے مجھے دیکھا تو ان کے حلقۂ چشم میں رسول اللہؐ کا پُرعتاب چہرہ تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ کہیں سامنے کھڑے ہیں اور اُن کا پرتو نواسے کے حدقۂ چشم میں پڑ رہا ہے مجھے یہ معلوم ہوا کہ گویا وہ اب ہاتھ بڑھا کر میری تلوار پکڑ لیں گے۔ اور اسی خوف سے وہ میرے ہاتھ سے گر پڑی ہے"

علیؑ کا جلوہ کربلا میں

سنان ابن انس نے کہا "حسینؑ کیطرف تیرا حُسن ظن ہے کہ نبیؐ اپنے نواسے کو بچانے آئے ہونگے۔ اور یہی خیال مجسمہ بن کر تجھے نظر آنے لگا۔ بیوقوف مُردے بھی کسی کی مدد کرسکتے ہیں" اپنا یہ کافرانہ اور ملحدانہ عقیدہ بیان کرکے وہ نجدی تلوار کھینچے بڑھا۔ اور جس وقت قریبِ امام پہنچا۔ آپ نے نگاہِ غیظ سے اس ناخدا شناس کی طرف دیکھا بس قدم اتنی تیزی سے قتل کی طرف

نہ بڑھے تھے جس سُرعت سے فرار کے کرشمے دکھاتے ہوئے پیچھے ہٹے۔ دست و پا میں رعشہ ہوگیا۔ تلوار گرپڑی اور وہ مبروص و کوتاہ گردن و تنگ پیشانی۔ حرمزدگی کی ہر نشانی سمیت لشکریوں میں جا چھپا۔ خولی بن یزید الاصبحی نے کہا "تیری ماں تجھے روئے اسقدر شدومد سے تو تو گیا تھا اور اسقدر بزدلی سے بھاگ آیا۔ آخر تجھ پر کیا بلائے ناگہانی نازل ہوئی اس ملعونِ اکفر نے کہا "میں اپنے شیطانی عقیدے سے باز آیا۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ رسولؐ بھی زندہ ہیں اور علیؑ بھی یہاں موجود ہیں۔ جونہی میں حسینؑ کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ شیرِ خدا ذوالفقار تولے اپنے فرزند کے پیچھے کھڑے ہیں۔ اور اگر میں ایک قدم اور بے دھیانی میں بڑھ جاتا تو واللہ تم میرا چہرہ پھر کبھی نہ دیکھ سکتے"۔ (یہی وہ مردود ہے جسے تھوڑی دیر بعد چشمِ نبیؐ و علیؑ نے پھر ظلم تازہ پر کمربستہ دیکھا)

رعد فرشتے کی حاضری اب خولیٔ مردود طنطنہ دکھاتا ہوا قتلِ نواسہ رسولؐ کیلئے چلا مگر قریب پہنچنے نہ پایا تھا کہ رعد فرشتے کی کڑک سنکر اور چمک دیکھکر یہ مردود بھی واپس بھاگ آیا اور شمر کے سوال کے جواب میں کہا کہ میں نے ایک ایسی چمک دیکھی اور کڑک سُنی جس سے مجھے یہ یقین ہوگیا کہ یہ رعد فرشتہ ہے اور اگر میں ذرا بھی آگے بڑھا تو یہ جلا کر خاک سیاہ کردیگا۔ شمر نے کہا تم سب کسقدر خوفزدہ اور توہم پرست ہو یہ کام سوائے شمر ذی الجوشن کے اور کسی کا نہیں ہے۔ انعام کا لالچ تمہیں کھینچ کھینچ کرلے گیا مگر تم کو کیا خبر کہ یزید کا اعلان کردہ اتنا وسیع انعام وہی لے سکتا ہے جس کا دل بھی اتنا بڑا ہو کہ خوفِ خدا اور رسول وملائکہ اس میں ایک نقطہ سے زائد وقعت نہ رکھتا ہو" یہ زہر اُگل کر وہ نطفۂ حرام خنجر لئے بڑھا۔

ارواحِ طیبہ کی مراجعت اب پروردگارِ عالم کو مطلوب ہوا کہ اپنا وعدہ پورا کرنیوالے حسینؑ کو معراجِ شہادت پر فائض دیکھکر اپنی حضورِ قدس میں طلب فرمائے

اسلیئے ملائکہ انبیاء اور اولیا کی ارواح کو حکم ہوا کہ حسینؑ کے پاس سے اب الگ ہٹ جاؤ کہ اب میرا اور اس کا معاملہ ایفائے عہود پر آ گیا ہے۔ وہ اپنا اقرار پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور میں بھی صادق الوعد ہوں۔

شمر ذی الجوشن الضبابی مظلومِ کربلا اسوقت شدتِ ضعف سے نڈھال لیٹے تھے اور آنکھیں بند کئے مالکِ عرش سے ہمکلام تھے کہ شمر مردود بے خوف وخطر سینۂ مجروح پر آ بیٹھا حضرت نے چشم وا کر کے فرمایا "تو کون ہے کہ اس مقام بلند مرتبہ پر قدم رکھے ہوئے ہے کہ رسول اللہ جس مقام کے بوسے لیا کرتے تھے اور سنگ اسود جسکے مقابلہ میں ایک پتھر ہے" وہ مردود جواب میں بولا "ذی الجوشن ضبابی کا بیٹا" جس کی نگاہ میں رسولؐ اور خانہ کعبہ کی کوئی خاص وقعت نہیں، نماز اور کلمہ پڑھ لینا اور چیز ہے! حضرت نے فرمایا "مجھے پہچانتا ہے یا ناواقفیت میں بے ادبی کا مرتکب ہو رہا ہے" مردود ازلی نے کہا "ایسا بھی کوئی ہے جو آپکو نہ جانتا ہو۔ اور مجھے تو یہانتک شناسائی ہے کہ تم علیؑ کے بیٹے حسین ہو، فاطمہؑ بنت رسول اللہ تمہاری ماں تھیں، محمد مصطفیٰ تمہارے نانا اور خدیجۃ الکبریٰ تمہاری نانی ہیں" مظلوم نے فرمایا "وائے ہو تجھ پر! ان تعلقات کے علم پر بھی تیرا ہاتھ میرے قتل پر تیار ہو گیا" زر پرست نے جواب میں کہا "یزید بن معاویہ نے مجھ سے عطا و جائزۂ بزرگ کا وعدہ کیا ہے" آپنے فرمایا "تجھے میرے جد کی شفاعت زیادہ محبوب ہے یا وعدۂ یزید؟" ملعون نے کہا "یزید کا وعدہ نقد ہے اور آپ کے جد و پدر کا وعدہ ایسا قرض ہے کہ بروقت اگر انھوں نے انکار کر دیا تو میں دونوں جہان میں محروم رہ جاؤنگا اب مظلوم کربلا کو اپنے علمِ امامت کی مکمل تصدیق ہو گئی اور آپ نے اندازہ لگا لیا کہ یہی مردود میرا قاتل ہے۔

شمر پر مزید اتمامِ حجت حضرت نے اب شمر سے مخاطب ہو کر فرمایا "اچھا اگر مجھے قتل کئے بغیر تیری خواہش قلب پوری نہیں ہو سکتی تو مجھے پیاسا کیوں قتل کرتا ہے میں تجھے حصولِ انعام سے منع نہیں کرتا لیکن ایک بوند پانی پلا دینے میں تو تیرا جائزہ کم نہیں ہوتا

دشمن خدا نے جواب دیا کہ ”قسم بخدا ہرگز ہرگز پانی نہیں پی سکتے جب تک شربت شہادت نوش نہ کر لو۔ اور کیا تمہارا یہ خیال نہیں ہے کہ تمہارے بابا ساقی کوثر ہیں اور وہ اپنے شیعوں کو حوض کوثر سے سیراب کریں گے۔ پھر ان کے ہاتھ کے بدلے میرے ہاتھ سے کیوں جام پینا گوارا کرتے ہو“ حضرت نے یہ جواب نہایت کراہت سے سنکر فرمایا ”شمر! جس خدا کی تو نے قسم کھائی ہے اسی کی میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ ذرا اپنے شکم پر سے دامن ہٹا دے پس اس نے تعمیل کی تو حضرت نے فرمایا صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اے خدا کے بھیجے ہوئے آپ نے سچ فرمایا تھا“ شمر نے متحیر ہو کر پوچھا ”انھوں نے کیا کہا تھا؟“ حضرت نے فرمایا اس تیرے جسم کی تصویر اپنے الفاظ میں یوں کھینچی تھی کہ ”بیٹا تمہارا قاتل وہ کوڑھی ہوگا جس کے پیٹ پر سگِ مبروص کے دھبے ہوں گے اور سور کی طرح اس کے بال ہوں گے“ اس ولد الزنا کو یہ سنکر غصہ آگیا اور اس نے کہا ”اچھا! تمہارے نانا نے مجھے کتے اور سور سے تشبیہ دی ہے تو خدا کی قسم میں بھی تمہیں اب پسِ گردن ہی سے شہید کروں گا“ یہ کہتے ہی ملعون نے درماندہ مجروح کو ایک حرکت دی اور راکب دوش رسولؐ کی پشت پر سوار ہو گیا۔

قصد ارتکاب بے ادبی اس صورت میں کہ قفائے امام مظلوم کو ملعون نے اپنے مبروص چہرے کے سامنے کر لیا تھا وہ شقی ازلی دامن گردان کر اس مضمون کے اشعار پڑھنے لگا ”آج کے دن ایک ایسے شخص کو قتل کر رہا ہوں جس کی نسبت میرے نفس کو بھی یقینی علم ہے اور ہرگز ہرگز میری یہ مجال و طاقت بھی نہیں کہ میں اس کے حسب و نسب کو کسی طرح چھپا لوں۔ بیشک نبی مصطفےٰ کے بعد اسکا باپ تمام نطق کرنے والوں سے بہتر ہے۔ آج تو میں اسے قتل کر رہا ہوں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ پچھتا تا رہوں گا کیونکہ آتش جہنم اس ارتکاب بے ادبی کی سزا ہوگی۔ افسوس کسطرح اس مقدس خون سے میں مٹی کو سیراب کیا چاہتا ہوں اور ابو تراب کے بیٹے پر رحم نہیں کرتا۔“

نمازِ عصر کا وقت شمر اب خنجر کھینچ کر کارِ زشت کیا چاہتا تھا کہ امام مظلوم نے فرمایا "اچھا اتنا وقت دیدے کہ میں آخری فریضہ عصر ادا کر لوں دیکھ سورج بھی تجھے اپنی گرم اور تیز آنکھ سے دیکھ رہا ہے" یہ سنکر وہ ملعون پشت مبارک سے اتر گیا۔

امام عصر نے نمازِ عصر کے لیے خاک کربلا پر تیمم فرمایا اور پروردگارِ عالم کے حضورِ قدس میں بمشکل تمام دوزانو ہو بیٹھے۔ سورے اور رکوع ختم کر کے ابھی پہلے سجدے سے سر نہ اٹھایا تھا کہ شمر نے شیطان کی عجلت سے متاثر ہو کر امام کی قفا پر خنجر رکھدیا۔

عمر سعد کی نماز امام کو ادہر متوجہ نماز دیکھکر عمر سعد بھی اپنی فوج کو نماز پڑھانے کیلئے کھڑا ہو گیا تھا کیونکہ اس کے ہاں فوج کا امیر ہی پیش نماز ہوتا تھا۔ اُس مردود نے اتنی دیر میں کہ امام علیہ السلام نے ایک رکعت پڑھی چاروں رکعتیں ختم کر دیں اور قبلہ کی جانب سے منہ پھرا کر فوراً مقتل امام کی طرف مڑ کر بیٹھ گیا۔ اور یہ پہلا دن تھا کہ رسول کی امت نے نمازِ عصر کی نوافل و سنت وغیرہ سب ترک کر دیں تاکہ غارتِ خیامِ اہلبیت میں تاخیر نہ ہو۔ اس سے قبل کوئی پیش نماز زمانۂ رسولؐ سے اسوقت تک نماز عصر کا سلام پھیرتے ہی قبلہ سے روگردانی نہ کرتا تھا اور نماز ظہر کی طرح عصر کے بھی سنت و نوافل پڑھے جاتے تھے۔

بوسہ گاہِ رسولؐ پر بارہ ضربیں خشک گلا اور بے آب خنجر ہونے کے باعث راوی کہتا ہے کہ بارہ ضربوں میں ملعون ابن ملعون نے رسول اللہ کی بوسہ گاہ کاٹی اور سر مبارک کو نیزہ پر بلند کیا۔ لشکریانِ عمر سعد نے تین بار بلند آواز سے تکبیر[۱] کہی اور سب فوج مصلوں سے اٹھ کر خیامِ اہل بیت کی طرف ڈھول تاشے اور دف بجاتی ہوئی چلی۔

زمین و آسمان کی حالت تَزَلْزَلَتِ الْاَرْضُ طبقاتِ زمین میں فوراً زلزلے کے جھٹکے محسوس ہونے لگے وَاَظْلَمَ الشَّرْقُ وَالْمَغْرِبُ پورب پچھم میں

[۱] تکبیر کو غلط مواقع پر استعمال کی بدعت قاتلانِ نواسۂ رسولؐ سے شروع ہوئی ہے۔ (مؤلف)

فساد عظیم برپا ہوا۔ وَاَخَذَتِ النَّاسَ الرَّجْفَةُ انسانوں کے جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ وَالصَّوَاعِقُ اور تیز تیز بجلیاں گرنے لگیں وَاَمْطَرَتِ السَّمَاءُ دِمَاءً عَبِيْطًا اور آسمان کے دامن سے تازہ تازہ خون ٹپکنے لگا۔الخ۔ اس لہو برسنے کا ذکر اکثر علمائے اہل اسلام اور تمام فقہائے مذہب امامیہ نے اپنی اپنی کتب میں لکھا ہے۔

ہاتف کی ندائیں

پہلا نوحہ جو آسمان پر پڑھا گیا اور جس کا لفظ لفظ دوست دشمن نے سنا وہ یہ تھا "خدا کی قسم امام ابن امام۔ امام کا بھائی اور اماموں کا باپ حسینؑ ابن علیؑ مظلوم قتل کیا گیا" ایک اور آواز ہاتف کی آئی" سینوں میں نوکِ نیزہ کی خلش محسوس ہو رہی ہے اور حسینؑ کے نحر ہونے سے تنزیل منقطع ہو گئی حیف صد حیف! اس کو کیا قتل کیا تکبیر و تہلیل کی آوازیں کاٹ دیں۔ ہاں ہاں! یوں کہو تیرے اُس بابا محمد مصطفےٰ کو قتل کر دیا۔ جس پر اور جس کی آل پر جبرئیلؑ امین درود بھیجا کرتے تھے۔

بادشاہ جنات کے بین

جناب ام کلثوم فرماتی ہیں کہ ہمارے خیمہ کے چاروں طرف ایک شخص مضطربانہ چکر لگا اور اس طرح نوحہ کر رہا تھا" خدا کی قسم اب آنکھیں اور کیا دیکھیں گی جب زمین طف پر دو عالم کے شہزادے کو شہید ہوتے دیکھ لیا۔ افسوس صد افسوس! اس کے گرد وہ خوبرو اور شکیل جوان گلے کٹائے پڑے ہیں جن کے چہرے آمنے سامنے چراغوں کی مانند ایک دوسرے پر چھوٹ ڈال رہے ہیں۔ ہاں ہاں!! حسینؑ کشتۂ راہِ خداہی کی آغوش تو وہ قندیل تھی جس میں یہ جگ جوت شمعیں چمک رہی تھیں۔" جناب ام کلثومؑ فرماتی ہیں کہ ہم نے قسم دے کر اور اُس کی منت کر کے دریافت کیا کہ اے مردِ خدا تو کون ہے؟ اس نے سر پیٹ کر کہا میں بدبخت جنوں کے بادشاہوں میں سے ایک تاجدار ہوں۔ اپنی فوج لیکر

انسانوں اور جنوں کے شہنشاہ امیر المومنین کے فرزند کی نصرت کو آیا تھا۔ مگر ہائے میری بدقسمتی کب آیا ہوں جب ہاتف کی زبان سے قتل الحسین بکربلا کی آواز سن لی" یہ کہکر سینہ و سر پیٹتا ہوا اور نالوں سے جنگل کو سر پر اٹھاتا ہوا صحرا کی جانب چلا گیا۔

شفق اور سیاہ آندھی اب یکلخت ایک ایسی تیرہ و تار آندھی چلی کہ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہ آتا تھا۔ چاروں طرف سے صرصر گرم کے تھپیڑے یزیدی ملعونوں کے رخساروں پر سیلیاں مار رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک طرف سے ایسی روشنی معلوم ہوئی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب غروب ہو کر پھر عود کر آیا ہے۔ اور جس کے عکس میں دھوپ کی سی شعاعیں تھیں اسی کا نام اس دن سے شفق مشہور ہوا جو اس سے پہلے کبھی دامن فلک پر نمودار نہ ہوئی تھی اور گویا صاحب معراج کے فرزند کے غم میں یہ پہلا خون بھرا رومال تھا۔ جو آج تک فرشتوں کے آنسوؤں سے بھی نہ دھل سکا۔

غرض بیانِ غمِ اہلبیت آساں نیست

حصہ دوم تمام شد

ربنا تقبل منی

ابو القلم منیر زیدی

۲۶ مارچ ۱۹۲۸ء

رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

مقتلِ سادات

آج جو کتاب "چمنستانِ محمدؐ" کے نام سے آپ کے پیشِ نگاہ ہے یہ ۱۸ بنی فاطمہؑ کے حالِ غم کی تصویر ہے۔ اور "مقتلِ سادات" اسکا پہلا حصہ ہے جو اُن ناصرانِ حسینی کے حالات کا مرقع ہے۔ جنکے متعلق مظلوم شہزادہ نے خود روزِ عاشورہ فرمایا تھا کہ یہ میرے ایسے صحابی ہیں کہ ایسے صحابہ نہ میرے نانا کو ملے۔ نہ بابا کو میسر آئے اور نہ بھائی حسنؑ ہی کو پا سکے۔ اِسی لئے "مقتلِ سادات" کو میں نے خود حضرت رسالتمآبؐ کے نامِ نامی پر معنون کیا تھا۔ اِس نام مبارک کا یہ اثر ہوا کہ دو مرتبہ ایک ایک ہزار چھپتے ہی ختم ہو گیا اور اب کوئی کاپی بھر باقی نہیں۔ اُس کے ناظرین کے صدہا خطوط میرے دفتر میں موصول ہوئے کہ دوسرا حصہ فوراً بھیجئے۔ چنانچہ "چمنستان" ۱۳۴۶ھ میں پہلی مرتبہ طبع کیا وہ پریس سے نکلتے ہی ختم ہو گیا اور سینکڑوں حضرات اس کی دید سے محروم رہ گئے۔ لہٰذا اب دوبارہ طبع کر کے روانہ کیا جا رہا ہے۔

جن حضرات کے پاس "مقتلِ سادات" نہ ہو وہ ایک کارڈ بھیجکر صرف اپنا نامِ نامی درج کرا دیں۔ قیمت نہ روانہ فرمائیں۔ جب طباعت شروع ہوگی۔ اُس وقت اطلاع دی جائیگی اُس کی قیمت بھی ایک روپیہ علاوہ محصول ہے۔

منیر زیدی

مِصباحُ الظُّلَم

شمس العلما نواب سید امداد امام صاحب آثر عظیم آبادی علی اللہ مقامہ کی تصنیف ہے یہ کتاب تمام شیعی دنیا میں شہرتِ عام اور مقبولیت تام حاصل کر چکی ہے مرحوم کی زندگی میں دو مرتبہ چھپی لیکن نہایت خراب کاغذ پر بُری لکھائی اور چھپائی کے ساتھ ساتھ غلط اور بہت غلط۔ ہمیں آج فخر ہے کہ ہمارے پریس کو لکھائی چھپائی وغیرہ میں بحمد اللہ ایک خاص شہرت ہے باوجود اسکے ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جیسی "مصباح الظلم" طبع ہوئی ہے ایسی کوئی کتاب ہمارے پریس میں آجتک طبع نہیں ہوئی۔ فلسکیپ سائز کے چار سو صفحات پر یہ کتاب مستطاب پورے ایک سیر وزن کی ہے۔ یہ تو مادی حالت تھی اور اس کی روحانی تصویر یہ ہے کہ فاضل مصنف بہ خود آبائی اہلسنت تھے اور اہلسنت علمار کے زیر اثر تعلیم پائی تھی لیکن جب فارغ التحصیل ہوئے تو ہزاروں شبہات اور تردد ات دامنگیر ہوئے۔ خصوصاً یہ تعجب ہوتا تھا کہ واقعاتِ کربلا کے اسباب کیا ہوئے۔ اور لاکھوں یا کم از کم نوے ہزار مسلمان ایسے اندھے کیونکر ہوگئے کہ جس رسولؐ کا کلمہ پڑھتے تھے اسی کے نواسے کو بھوکا پیاسا رکھنے اور ذبح کرنے پر محض تیار ہی نہیں ہوئے بلکہ سب کچھ کر گذرے۔ اسی تلاش میں ایسی من گھڑت احادیث بھی دیکھیں کہ "واعظ پر ذکر حسینؑ حرام ہے کیونکہ وہ بعضِ صحابہ کی طرف لیجاتا ہے" اب مصنف کی حیرت اور بڑھی کہ یہ کیا تعلق ہے۔ غرض مکمل چھان بین کے بعد مصنف کو یہ غور کرنا پڑا کہ رسالتمآب صلعم نے امت کو یہ وصیت کی تھی کہ میں اپنے بعد قرآن اور اہلبیت دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اور اسکے خلاف ایک خلیفۂ وقت نے یہ کہا کہ ہمیں صرف قرآن کافی ہے۔ لہٰذا اہلبیتؑ کی قدر مسلمانوں نے چھوڑ دی۔ غرض اسی مبحث پر انتہائی متانت اور تہذیب سے یہ کتاب لکھی اور اُن وجوہات کا تذکرہ کیا، جن کی بنا پر مذہب حقہ بعد تحقیق اختیار کیا۔ ہم نے باوجود ہر قسم کی طباعۃ و کتابتہ و کاغذ کی عمدگی کے وہی سابقہ قیمت چار روپیہ علاوہ محصول رکھی ہے

منیجر مطبع یوسفی دھلی